تیسیر التجوید

مؤلفہ

جناب حضرت الحاج الحافظ القاری عبدالخالق صاحب نور اللہ مرقدہ

معہ حواشی مفیدہ

از

فضیلۃ المقری الشیخ اظہار احمد التھانوی

پروفیسر انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی

اسلام آباد (پاکستان)

قرائت اکیڈمی

لاہور

مکمل

تیسیر التجوید

مؤلفہ

وحید العصر فرید الدہر، ماہر فن تجوید، فخر القراء، استاذ المجودین

جناب حضرت الحاج الحافظ القاری عبد الخالق صاحب نور اللہ مرقدہ

سابق صدر مدرس مدرسہ تجوید القرآن سہارنپور

مع

حواشی مفیدہ

از

فضیلۃ الشیخ المقری اظہار احمد تھانوی

الأستاذ في قسم الدعوة والقراءة

بالجامعة الإسلامية الدولية

اسلام آباد، پاکستان

قراءۃ اکیڈمی

۲۸- الفضل مارکیٹ ۱۷- اردو بازار لاہور-۲

نام کتاب ____ تیسیر التجوید

تصنیف ____ قاری عبدالخالق صاحب رح

حاشیہ ____ حواشی مفیدہ

محشی ____ قاری اظہار احمد تھانوی

ناشر و طابع ____ قرأت اکیڈمی اردو بازار لاہور

پریس ____

قراءت اکیڈمی

کی مطبوعات مندرجہ ذیل جگہوں پر بھی دستیاب ہیں

کراچی ——— اسلامی کتب خانہ : عقب جامع مسجد علامہ بنوری ٹاؤن کراچی۔

مکتبہ اسحاقیہ : جونا مارکیٹ پٹھول چوک کراچی۔

علمی کتاب گھر : اردو بازار کراچی۔

لاہور ——— ادارۂ اسلامیات : پرانی انارکلی لاہور۔

نعمانی کتب خانہ : حق سٹریٹ اردو بازار لاہور۔

مکتبہ قاسمیہ : ۱۷۔ اردو بازار لاہور۔

کوئٹہ ——— مکتبہ ماجدیہ : عیدگاہ ملوغی روڈ کوئٹہ۔

مکتبہ رشیدیہ : سرکی روڈ کوئٹہ۔

پشاور ——— مکتبہ امدادیہ : محلہ جنگی قصہ خوانی پشاور۔

راولپنڈی ——— کتب خانہ رشیدیہ : مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی۔

گجرانوالہ ——— مکتبہ نعمانیہ ، اردو بازار گجرانوالہ۔

فیصل آباد ——— رحمانیہ دارالکتب : امین پور بازار فیصل آباد۔

بہاولپور ——— پاکستان بک کمپنی : شاہی بازار بہاولپور۔

قراءت اکیڈمی، ۲۸۔ الفضل مارکیٹ ، ۱۷۔ اردو بازار لاہور ۲

قراءت اکیڈمی کی مطبوعات

★ **جمال القرآن:** کتابت، طباعت دیدہ زیب، سرورق انتہائی خوش نما، قاری اظہار احمد صاحب تھانوی کے حواشی سے مزین۔

★ **تیسیر التجوید:** تالیف، ماہر فن حضرت مولانا قاری عبدالخالق صاحب سہارنپوریؒ، تجوید کے مسائل میں جامع اور مستند کتاب، حاشیہ میں قاری اظہار احمد صاحب تھانوی کے قلم سے عمدہ تشریحات۔

★ **فوائد مکیہ:** معہ حاشیہ بے نظیر تعلیقات مالکیہ، حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ کے نہایت علمی اور پُر مغز حواشی سے مزین۔

★ **مقدمۃ الجزری:** معہ تحفۃ الاطفال، آخر میں ترتیب وار اشعار کا ترجمہ مترجم قاری اظہار احمد صاحب تھانوی۔

★ **الجواہر النقیہ:** شرح جزری اردو، مکمل فنی معلومات کا خزانہ، از قاری اظہار احمد صاحب تھانوی۔

★ **امانیہ:** شرح شاطبیہ اردو، غیر ضروری طوالت سے خالی، آسان اور عام فہم اردو میں اشعار کی تشریح، طلباء کے لیے نہایت مفید، از قاری اظہار احمد تھانوی (دو جلدوں میں مکمل)

★ **البدور الزاہرہ:** عشرہ کے اجراء کے لیے مشہورِ زمانہ کتاب، از شیخ عبدالفتاح القاضی۔

★ **مجموعۂ نادرہ:** تجوید القرآن، یادگار حق القرآن اور تعلیم الوقف کا نادر مجموعہ معہ حواشی نادرہ از قاری اظہار احمد صاحب تھانوی۔

★ **افضل الدرر:** شرح رائیہ عربی از حضرت قاری عبدالرحمن مکی الہ آبادیؒ، قرأت کی مقبول عام کتاب۔

★ **خلاصۃ التجوید:** از قاری اظہار احمد صاحب تھانوی، تجوید کے تمام مسائل کا خلاصہ اسم با مسمیٰ۔

ملنے کا پتہ

قرأت اکیڈمی، ۲۸، الفضل مارکیٹ، ۱۷۔ اردو بازار لاہور ۲

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ

زینوا القرآن باصواتکم

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ

زینت دو تم قرآن شریف کو اپنی آوازوں کے ساتھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مُحَمَّدِنِ الۡمُجۡتَبٰی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ وَعَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی

امابعد - احقر عبدالخالق غفرلہ ولوالدیہ واساتذہ خادم قدیم مدرسہ تجویدالقرآن واقع محلہ قاضی سہارنپور نے اپنے ۴۵ سالہ تجربہ کے بعد یہ محسوس کرتے ہوئے کہ تجوید کے وہ رسائل جو آجکل جاری ہیں مبتدی طلبہ کے لئے زیادہ مفید نہیں، کیونکہ بعض رسالے مشکل اور بعضے طویل مگر پھر بھی بعض ضروری مسائل ان میں نہیں ملتے اسلئے پانچ باتیں مخارج حروف، حروف کی صفات لازمہ، صفات عارضہ، مدات، اوقاف مختصر اور آسان عبارت میں (کہ جس کو ابتدائی طالب علم بآسانی سمجھ لیں اور یاد کرسکیں) جمع کردی ہیں اور ان کے ساتھ ساتھ بعض ایسے آداب و فوائد بھی شامل کر دئے ہیں کہ جن کا جاننا ضروری ہے - نیز پہلی طباعت میں جو بعض کوتاہیاں سمجھی گئیں وہ بھی پوری کر دی گئی ہیں - کیونکہ ان تمام باتوں پر ہی قرآن شریف کا صحیح پڑھنا موقوف ہے ان کو سات بابوں میں تقسیم کردیا ہے -

باب اول وجوب تجوید اور آداب تلاوت و فضائل کے بیان میں

فصل اوّل تجوید کے ضروری ہونے میں - جاننا چاہیئے کہ قرآن شریف صحیح پڑھنے کی بڑی تاکید آئی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے کلام پاک میں فرمایا ہے وَرَتِّلِ الۡقُرۡاٰنَ تَرۡتِیۡلًا یعنی قرآن شریف کو خوب سنبھال کر اچھی طرح سے پڑھو، جیسا کہ اس کا حق ہے - اور قرآن شریف کا حق یہ ہے کہ

ے لفظ ترتیل "رَتَلٌ" سے ہے جس کے معنی کشف و کشادگی کے ہیں چنانچہ کشادہ دانتوں کو اہل عرب ثَغۡرٌ رَتَلٌ بولتے ہیں (ملا علی قاری علی الشاطبیہ صفحہ ۱۴۰) اسی لئے حضرات مفسرین نے ترتیل کے معنی لکھے ہیں کہ قرآن مجید کو ایسے اطمینان و تحقیق کے ساتھ پڑھا جائے کہ بہترین ادا پر مشتمل ہو ارشاد الٰہی ہے وَرَتَّلۡنٰہُ تَرۡتِیۡلًا (اور ہم نے اس کو واضح ادائیگی کے ساتھ اتارا ہے - تفسیر جمل) اور حدیث میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ اَنۡ یُقۡرَاَ الۡقُرۡاٰنُ کَمَا اُنۡزِلَ (رواہ ابن خزیمہ فی صحیحہ) یعنی اللہ تعالیٰ کو پسند یہ ہے کہ قرآن ٹھیک اس طرح پڑھا جائے جس طرح وہ اتارا گیا ہے اسی لئے محقق بیضاوی رحمہ اللہ وَرَتِّلِ الۡقُرۡاٰنَ تَرۡتِیۡلًا کے معنی بیان فرماتے ہیں، جَوِّدۡہُ تَجۡوِیۡدًا یعنی قرآن شریف کو بہترین ادا کے ساتھ پڑھو -

تجوید کے ساتھ پڑھا جائے۔ جیساکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس آیت کے یہ معنی بیان فرمائے ہیں ھُوَ تَجْوِیْدُ الْحُرُوْفِ وَمَعْرِفَةُ الْوُقُوْفِ یعنی حروف کو ان کے مخارج اور جملہ صفات کے ساتھ ادا کرنا اور وقفوں کا طریقہ جاننا کہ وقف کس طرح کرنا چاہیئے جس کو عوام قرات کہتے ہیں[1]۔

اس سے معلوم ہوا کہ تجوید کے ساتھ قرآن شریف پڑھنا ضروری ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم فرمایا ہے اور بہت سی حدیثوں میں بھی قرآن مجید کو صحیح پڑھنے کی تاکید آئی ہے[2]، اور غلط پڑھنے والے کے لئے سخت وعید آئی ہے یہاں تک کہ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ غلط پڑھنے والا اس حدیث کا مصداق ہے۔

رُبَّ قَارِیٍٔ لِلْقُرْاٰنِ وَالْقُرْاٰنُ یَلْعَنُهٗ	بہت سے قرآن شریف پڑھنے والے ایسا پڑھتے ہیں کہ قرآن شریف ان پر (غلط پڑھنے کی وجہ سے) لعنت کرتا ہے[3]۔

سو ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ ثواب ہرگز نہیں مل سکتا، بلکہ گنہگار ہو گا اللہ تعالیٰ کے حکم اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی وجہ سے تمام فقہا فرماتے ہیں کہ علم تجوید کا سیکھنا ضروری اور فرض ہے کیونکہ بغیر اس علم کے پڑھے اور سیکھے قرآن شریف صحیح نہیں پڑھا جا سکتا، اسی کو امام فن علامہ ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب جزری میں فرماتے ہیں۔ ے

وَالْاَخْذُ بِالتَّجْوِیْدِ حَتْمٌ لَازِمٌ ۔۔۔ مَنْ لَّمْ یُجَوِّدِ الْقُرْاٰنَ اٰثِمٌ

یعنی علم تجوید سیکھنا اور حاصل کرنا بہت ضروری ہے، یعنی بقدر مایجوز بہ الصلوٰۃ تجوید کے ساتھ قرآن مجید پڑھنا فرض عین ہے اور اس کا علم فرض کفایہ ہے کما قال ملا علی قاریؒ العلم بہ فرضُ کفایۃ والعملُ بہ فرضُ عینٍ۔ بلکہ اس کی دلیل فرضیت میں یہ آیت پیش کرتے ہیں الذین اٰتیناھم الکتاب یتلو نہ حق تلاوتہ[4]

---

[1] نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا غَیْرَ ذِیْ عِوَجٍ یعنی قرآن شریف ایسی فصیح عربی میں ہے کہ جس میں ذرا بھی کجی نہیں۔

[2] مثلاً قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اِقْرَؤُا الْقُرْاٰنَ بِلُحُوْنِ الْعَرَبِ (رواہ مالک فی مؤطا والنسائی) یعنی قرآن کو اہل عرب کے لب ولہجہ میں پڑھو مطلب یہ ہے کہ انہیں کی طرح مخارج وصفات ادا کرو۔ [3] باوجود تلاش کے اس حدیث کا حوالہ مجھے کتب حدیث میں نہیں مل سکا اور امام غزالی رح نے اسکو حضرت انس بن مالکؓ کا قول فرمایا ہے۔ احیاء العلوم صفحہ ۲۹۱ باب فی ذم تلاوۃ الغافلین

[4] ترجمہ۔ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ اس کی تلاوت اسی طرح کرتے ہیں جس طرح اس کی تلاوت کا حق ہے۔

اور جو شخص قرآن شریف کو تجوید سے نہ پڑھے ، وہ بلاشک گنہگار ہے ۔ اور ہمارے فقہا فرماتے ہیں کہ قرآن شریف غلط پڑھنے سے معنی بگڑ جاتے ہیں اور بعض صورتوں میں ایسے معنی بگڑتے ہیں کہ نماز بھی ٹوٹ جاتی ہے[1] لہذا اگر کوئی نماز میں قرآن شریف غلط پڑھے گا تو گنہگار ہوگا ، پھر اگر معنی نہ بگڑے[2] تو نماز ہو جائے گی ورنہ بعض صورتوں میں نماز بھی ادا نہ ہوگی ، اور لکھا ہے کہ اگر کسی شخص سے کوئی حرف صحیح ادا نہیں ہوتا تو اس کو تصحیح کی کوشش کرنا ضروری ہے ، اگر صحیح پڑھنے کی کوشش نہیں کرے گا تو وہ گنہگار ہوگا ۔ البتہ اگر کوشش کے باوجود پھر بھی قدرت نہ ہو تو اس حالت میں صحیح ادا نہ ہونے سے گنہگار نہ ہوگا ۔ اور لکھا ہے کہ جو شخص صحیح نہ پڑھتا ہو اس کو امام نہ بنانا چاہیئے ۔ اس بیان سے ظاہر ہو گیا کہ قرآن شریف صحیح پڑھنا ضروری اور فرض ہے ۔ اور وہ علم تجوید سے حاصل ہوتا ہے لہذا علم تجوید کا سیکھنا ضروری ہوا ۔

تجوید ۔ کے معنی یہ ہیں کہ حروف کو ان کے مخارج اور جمیع صفات لازمہ و عارضہ کے ساتھ ادا کرنا ۔ اس میں بہت احتیاط کرنا چاہیئے کیونکہ بعض حروف ایسے ہیں کہ مخرج ان کا ایک ہے ، ان میں فرق صرف صفات کی وجہ سے ہوتا ہے اگر ان صفات کا پورا خیال اور لحاظ نہ کیا جائے تو ایک

---

[1] اس کی تفصیل کتب فقہ کے باب زَلَّۃُ الْقَارِیْ میں دیکھنی چاہیئے ۔

[2] بگاڑ یہ ہے کہ مفہوم مراد الٰہی کے برخلاف ہو جائے ، یا مطلب مہمل ہو جائے ، یہ امام صاحب رح و امام محمد رح کا مذہب ہے اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ کے نزدیک ، معنی کے بگاڑ سے نہیں بلکہ لفظ کے بگاڑ سے نماز فاسد ہوتی ہے ۔ اگر کلمہ اس طرح پڑھا جو تمام قرآن میں کہیں بھی نہ پایا جاتا ہو مثلاً وَالصّٰفّٰتِ صَفًّا میں صاد کی بجائے سین پڑھا جائے تو نماز فاسد ہو جائے گی ، کیونکہ لفظ سآفات تمام قرآن میں کہیں بھی نہیں ، وغیر ذٰلک اور معنی کا بگاڑ کبھی تو حرف کی ذات و صفات دونوں کے متغیر ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے ، اور کبھی صرف صفت کے تغیر سے ہوتا ہے ، مثلاً صٰفّٰت میں استعلاء کو استفال سے بدل لیا ۔ چنانچہ منیۃ المصلی میں ہے " اگر کسی نے حَمَّالَۃَ الْحَطَبِ میں طا کی صفت کو بگاڑ کر تا پڑھا تو نماز فاسد ہو جائے گی "، اسی طرح مثلاً وَنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيلًا میں ظا کی بجائے ذال پڑھا تو نماز کا فاسد ہونا بالکل ظاہر ہے ، کیونکہ ظا سے معنی ہیں کہ " ہم اہل جنت کو گھنے سائے میں داخل کریں گے " اور ذال پڑھنے میں معنی (معاذ اللہ) یہ ہوتے ہیں کہ " ہم ان کو بڑی ذلت میں داخل کریں گے "۔

حرف کی بجائے دوسرا حرف ہو جاتا ہے جیساکہ تآء کی جگہ طآ، اور طآ کی جگہ تآء اور سین کی جگہ صاد، اور صاد کی جگہ سین ادا ہو جاتا ہے۔ اس قسم کی غلطی کی یا اس کے مثل۔ اور کھڑے کو پڑا پڑھ دیا اور پڑے کو کھڑا پڑھ دیا، یا زبر زیر پیش کو اتنا زائد کھینچ دیا کہ حرف پیدا ہو گیا یا ساکن کو متحرک اور متحرک کو ساکن کر دیا تو گنہگار ہوگا، اس قسم کی غلطی کو لحن جلی کہتے ہیں، اور اس طرح پڑھنا حرام ہے، اور اگر ایسی غلطی کی، کہ صفات محسنہ[1] کو ادا نہ کیا تو اس کو لحن خفی کہتے ہیں۔ بچنا اس سے بھی ضروری ہے کیونکہ ایسی غلطی پر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا اندیشہ ہے،

لہٰذا ہر شخص کو چاہئے کہ قرآن شریف صحیح پڑھنے کی کوشش کرے اور دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں سے تھوڑا بہت وقت نکال کر ضرور اس فن کے واقف کار (کہ جس کو قاری کہتے ہیں) سے سیکھے، انشاء اللہ تعالیٰ تھوڑے دنوں میں قرآن صحیح پڑھنا آجائیگا۔ اور پھر جتنی فضیلتیں تلاوت کلام مجید کی ہیں وہ حاصل ہو جائیں گی، چنانچہ ترمذی شریف جو حدیث کی معتبر کتاب ہے، اس میں یہ ہے کہ قرآن شریف کے ہر ہر حرف پر دس دس نیکیاں ملتی ہیں، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، میں نہیں کہتا کہ الٓمٓ ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے اور لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے یعنی اگر کسی نے الٓمٓ پڑھا تو تیس نیکیاں مل جائیں گی، اور لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص نماز میں کھڑا ہو کر قرآن مجید پڑھے تو ہر حرف کے بدلے پچاس نیکیاں ملیں گی، اور اگر بیٹھ کر نماز میں قرآن شریف پڑھے تو ہر حرف کے بدلے پچیس نیکیاں ملیں گی، اور اگر بے وضو بغیر ہاتھ لگائے قرآن شریف کو حفظ پڑھے تو ہر حرف کے بدلے دس نیکیاں ملیں گی۔

افسوس کی بات ہے کہ قرآن شریف اتنی مہتم بالشان کتاب ہے مگر اس کی طرف عوام تو عوام بہت سے خواص کو بھی توجہ نہیں، لہٰذا حسب استطاعت قرآن شریف کی تصحیح کریں، اور اپنے بچوں کو ایسے مدارس، اور ایسے اساتذہ کی خدمت میں بھیجیں جو صحیح تعلیم قرآن شریف کی دے سکیں، کیونکہ جو خود ناواقف ہے وہ دوسرے کو کیا بتلا سکتا ہے، نیز یہ کہ اگر بچہ شروع

---

[1] ملا علی قاری رحمہ الباری فرماتے ہیں۔ لحن خفی وہ غلطی ہے جو خوبصورتی ادا میں مخل ہو مثلاً اخفاء، قلب، اظہار، ادغام، غنہ چھوڑ دینا، اور مثلاً مفخم کو باریک یا اس کے برعکس پڑھنا مقصور کو مد سے، اور ممدود کو قصر سے پڑھنا، وغیر ذالک من الصفات العارضة۔

ہی سے غلطی کا عادی ہو جائے، تو بعد میں تصحیح کرنے میں وقت کے علاوہ وقت بھی زیادہ صرف ہوتا ہے، اس علم کے سیکھنے میں شرم وحیا بالکل نہ چاہیئے اور جو اس فن کا واقف کار ملے اس سے تصحیح کریں، خواہ سکھانے والا کم عمر ہی کیوں نہ ہو، آج کل لوگ اس تلاش میں رہتے ہیں کہ اپنے سے زائد عمر والے سے علم حاصل کریں۔ یہ ان کی غلطی[1] اور کم فہمی ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تابعین سے علم حدیث کی روایت کی، اور سیکھا، اور بہت سے اساتذہ نے اپنے شاگردوں سے دوسرے علم کو سیکھا، یہ کمال کی بات ہے، ایسے لوگوں میں سے ہمارے امام اعظم حضرت ابو حنیفہ رح بھی ہیں،

دوسری فصل ۔ آداب قرآن کے بیان میں ۔

جاننا چاہیئے کہ حق تعالیٰ جل شانہٗ نے ہر شئ میں کچھ نہ کچھ خواص و فوائد رکھے ہیں اور وہ اسی وقت ظاہر ہوتے ہیں کہ جب اس شئے کو اس کے آداب و قواعد کے ساتھ صحیح طور سے استعمال کیا جائے ورنہ بے اثر ہے، چنانچہ قرآن شریف کے لئے بھی آداب و قواعد ہیں، آداب مشہورہ میں سے چند ضروری آداب بیان کرتا ہوں،

(۱) یہ کہ وضو کر کے قبلہ رو پاک جگہ بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر عجز و تواضع کے ساتھ تلاوت کرے گو بے وضو بھی بلا قرآن شریف کو ہاتھ لگائے پڑھنا جائز ہے لیکن ناپاکی[2] کی حالت میں ہاتھ لگانا اور پڑھنا دونوں ناجائز ہیں ۔

---

[1] چنانچہ علامہ جزری رحمہ اللہ طلباء کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں

ولیبادر فی شبابہ واوقات عمرہ الی التحصیل، ولا یستنکف عن احد وجد عندہ فائدۃ (منجد المقرئین قلمی ص۱۵)	اپنی جوانی اور دیگر اوقات زندگی میں فن کے حاصل کرنے کی جستجو ہونی چاہیئے۔ اور جس استاذ کے پاس بھی علمی فائدہ نظر آئے اس سے استفادہ کرنے میں اپنی ذلت نہ سمجھے۔

[2] یعنی بے غسل کی حالت میں اور حائضہ اور نفاس والی عورت کا بھی یہی حکم ہے، البتہ جو عورت استانی ہو وہ اس حالت میں پڑھانے کی ضرورت سے مجبور ہو کر ایک ایک لفظ پڑھا سکتی ہے، نیز واضح ہو کہ بے غسل کی حالت میں کلام مجید کو جزدان یا رومال میں لپیٹ کر اٹھانا اور چھونا درست ہے ۔

(۲) اللہ تعالیٰ کی رضا کی نیت[1] ہو اور یہ خیال کرے کہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوں، اور اس کو سنا رہا ہوں، اور پڑھنے میں ایسا متوجہ ہو کہ دوسرے خیالات نہ آئیں،

(۳) تلاوت کے وقت نہ ہنسے، نہ کھیلے، کیونکہ یہ بہت بے ادبی کی بات ہے درمیان میں کسی سے بات چیت نہ کرے، اگرچہ سلام کا جواب ہی کیوں نہ ہو، البتہ اگر کوئی ضرورت پیش آجائے، تو قرآن شریف بند کرکے بات کرے، پھر اعوذ باللہ پڑھ کر تلاوت شروع کرے، تلاوت کرنے والے کو سلام نہ کرنا چاہیے اور اگر کسی نے اس کو سلام کیا تو اس پر جواب دینا ضروری اور واجب نہیں۔

(۴) تلاوت کے وقت خوشبو استعمال کرے، اگر میسر ہو، ورنہ مسواک[2] اور وضو ہی کافی ہے، اور حسب توفیق لباس صاف بہتر پہن کر سکون و وقار کے ساتھ بیٹھے جس طرح مشائخ اور بزرگوں کی خدمت میں بیٹھتے ہیں۔

(۵) تلاوت آہستہ اور زور سے دونوں طرح جائز ہے، مگر جہاں جو مناسب ہو اسی طرح مستحب[3] ہے،

---

[1] اللہ تعالیٰ مؤلف کی قبر کو پُر نور کرے نہایت ہی اہم نصیحت ہے آجکل زمانہ ریاکاری کا ہے، خوش آواز طلبہ مجمعوں میں یا ریڈیو پر پڑھ کر عوام سے تحسین حاصل کرنے کو ہی منتہائے کامیابی سمجھتے ہیں، نہایت مذموم جذبہ ہے یاد رکھو حدیث میں ہے اکثر منافقی هذه الامة القراءُ ترجمہ:۔ اس امت کے اکثر منافق قرآء ہونگے (رواہ احمد بن حنبل من حدیث عقبة بن عامرؓ) اللہ تعالیٰ ہم سبکو حسن نیت اور اخلاص نصیب کرے۔ [2] چنانچہ علامہ جزریؒ فرماتے ہیں فمن اراد القراءة ینبغی ان یستاك بعود من اراك فانه ابقیٰ للفصاحة والبقی للنکتة ترجمہ:۔ قرآن پڑھنے سے پہلے پیلو کی لکڑی سے مسواک کرنی چاہیئے کیونکہ مسواک حروف کی صاف ادائیں اور منہ کی پاکیزگی میں بہت مفید ہے (منجد المقرئین ص۱)

[3] امام غزالیؒ نے بلند آواز اور آہستہ آواز میں پڑھنے پر دونوں طرح کی احادیث جمع کرنے کے بعد فرمایا ہے ان احادیث میں تطبیق کی یہی شکل ہے کہ آہستہ پڑھنا ریا اور بناوٹ سے بچاتا ہے، لہذا وہ ایسے آدمی کے حق میں بہتر ہے جسکو اپنے حق میں اسکا خوف ہو نیز بلند آواز سے پڑھنے میں کسی نمازی کی نماز میں خلل انداز نہ ہو رہا ہو، ورنہ بلند آوازی بہتر ہے کیونکہ اس میں عمل اور مشقت زیادہ ہے، نیز سننے والے کو بھی ثواب ملتا ہے اور جو نیکی اپنے اور دوسرے کیلئے بھی ہو وہ اس سے بہتر ہوتی ہے کہ جس کا فائدہ صرف اپنی ذات تک محدود ہو، نیز بلند آوازی قاری کے قلب کو بیدار رکھتی ہے، نیند کو دور کرکے طبیعت کے نشاط و تازگی میں اضافہ کرتی ہے (احیاء العلوم ص۲۸۶ ج۱)

آخر تلاوت پر یہ کلمات پڑھے، صَدَقَ اللّٰہُ مَوْلَانَا الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ، وَنَحْنُ عَلٰی ذَالِکَ مِنَ الشَّاهِدِیْنَ ۔

(۶) خوش آوازی سے تلاوت کرنا۔ خوش آوازی کے معنی یہ ہیں کہ سننے والے کی طبیعت قرآن شریف کی طرف مائل ہو، جیساکہ عرب والے پڑھا کرتے ہیں۔ چنانچہ اس کے متعلق احادیث بکثرت آئی ہیں ان میں سے چند حدیثیں لکھی جاتی ہیں۔

اِقْرَؤُا الْقُرْاٰنَ بِلُحُوْنِ الْعَرَبِ وَاَصْوَاتِھَا (رواہ النسائی ومالک فی الموطا)	قرآن شریف کو اہل عرب کے لہجوں میں اور آوازوں کی طرح پڑھو، (روایت کیا اسکو نسائی نے اور مالک نے موطا میں)
زینوا القرآن باصواتکم (رواہ احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ، والدارمی)	زینت دو تم قرآن شریف کو اپنی آوازوں کیساتھ روایت کیا اسکو احمد و ابوداؤد و ابن ماجہ اور دارمی نے
حَسِّنُوا الْقُرْاٰنَ بِاَصْوَاتِکُمْ فَاِنَّ الصَّوْتَ الْحَسَنَ یَزِیْدُ الْقُرْاٰنَ حُسْنًا۔ (رواہ الدارمی)	زینت دو تم قرآن شریف کو اپنی آوازوں کے ساتھ اسلئے کہ اچھی آواز قرآن شریف میں حسن کو زیادہ کرتی ہے۔ (روایت کیا اسکو دارمی نے)

چنانچہ ہمارے علماء و فقہاء فرماتے ہیں کہ قرآن شریف کو خوش آوازی سے پڑھنا مستحب و مستحسن و مسنون ہے، لہذا جو لوگ تغنی بالقرآن اور لہجے سے پڑھنے کو منع کرتے ہیں وہ سنت کے خلاف پر ہیں۔ ہاں اگر ایسا لہجہ اور خوش آوازی میں محو ہوا کہ مخارج و صفات حروف کا خیال نہ رکھا اور لحن جلی لازم آگیا تو ایسا پڑھنا ناجائز اور حرام ہے، اور پڑھنے والا گنہگار، اور اگر لحن خفی لازم آیا تو مکروہ ہے۔ غرضیکہ اگر قرآن شریف کو حروف کے مخارج اور صفات کا لحاظ رکھتے ہوئے تجوید کے قاعدے کے ساتھ لہجہ سے پڑھا تو مستحب اور مسنون ہے ورنہ ناجائز۔

ھ نیز مسنون ہے کہ یہ دعا پڑھے۔ اَللّٰھُمَّ ارْحَمْنِیْ بِالْقُرْاٰنِ الْعَظِیْمِ وَاجْعَلْہُ لِیْ اِمَامًا وَّھُدًی وَّرَحْمَۃً اَللّٰھُمَّ ذَکِّرْنِیْ مِنْہُ مَا نَسِیْتُ وَعَلِّمْنِیْ مِنْہُ مَا جَھِلْتُ وَارْزُقْنِیْ تِلَاوَتَہٗ اٰنَاءَ اللَّیْلِ وَاَطْرَافَ النَّھَارِ وَاجْعَلْہُ حُجَّۃً یَّا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ (رواہ ابو منصور فی فضائل القرآن وابوبکر بن الضحاک فی الشمائل حاشیہ احیاء العلوم ص ۲۸۵/۱ج)

تنبیہ۔ افسوس اس امر کا ہے کہ آج کل لوگوں نے مقصود بالذات خوش آوازی اور لہجہ کو بنا رکھا ہے، قواعد تجوید کی بالکل رعایت نہیں کرتے، حتیٰ کہ بعض معلمین کو بھی اس کا احساس نہیں، وہ شروع ہی سے لہجہ کی مشق کرانے لگتے ہیں، حالانکہ پہلے مخارج حروف اور صفات لازمہ کی تعلیم دینا امر ضروری ہے، اس کی تفصیل اَلْقَوْلُ الْجَمِیْل[1] میں مع حوالہ کتب معتبرہ تحریر کی گئی ہے[2]۔

تیسری فصل فضائل تلاوت قرآن مجید میں :-

جاننا چاہیئے کہ قرآن مجید چونکہ کلام الٰہی ہے اس لئے اس کو تمام کلاموں پر ایسی شرافت حاصل ہے کہ جیسی شرافت خداوند تعالیٰ کو تمام مخلوقات پر، جب یہ بات مان لی تو اس کے تلاوت کرنے والوں کو بھی سب سے زیادہ شرافت و بزرگی حاصل ہوگی، اس بارے میں احادیث بکثرت مروی ہیں، ان میں سے بعض حدیثیں یہ ہیں :-

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم اَنَّہٗ قَالَ اَشْرَافُ اُمَّتِیْ حَمَلَۃُ الْقُرْاٰنِ۔ (صحیحین)	حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم نے فرمایا کہ میری امت کے شریف اور بزرگی والے وہ لوگ ہیں کہ جو قرآن شریف کے اٹھانے والے ہیں یعنی پڑھنے پڑھانے والے ہیں اور اس پر عمل کرنے والے ہیں۔
عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَیْرُکُمْ مَنْ قَرَاَ الْقُرْاٰنَ وَاَقْرَاَہٗ۔ (طبرانی)	عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم لوگوں میں سے بہترین شخص وہ ہے جو قرآن کو پڑھے اور پڑھائے (روایت کیا اس کو طبرانی نے)

---

[1] افسوس میری ضعف بصارت کی وجہ سے وہ اب تک شائع نہیں ہو سکی، امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ شائع ہو ہی جائے گی، کوشش برابر جاری ہے —— من المصنف رح

[2] افسوس مؤلف رح کے وصال ہو جانے کی وجہ سے ان کی حیات میں یہ کتاب نہ چھپ سکی، مؤلف مرحوم کے انتقال کے بعد ان کے برادر خورد استاذنا حضرت مولانا قاری عبدالمالک صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے اس کتاب کو طبع کرنے کا ارادہ فرمایا، لیکن تاخیر در تاخیر ہوتی ہی گئی، اور وجہ یہ تھی کہ یہ کتاب مسودہ کی شکل میں تھی حک واضافہ کی نیت سے مؤلف مرحوم نے جگہیں چھوڑ رکھی تھیں، ایک جز، حضرت استاذ نے کذین سے بھی صاف کرایا تھا، کتاب ابھی اس تبییض کے مرحلوں میں ہی تھی کہ حضرت رح بھی وصال فرما گئے اور طباعت نہ ہو سکی۔

وَعَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَہٗ ۔
(صحیح بخاری)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم لوگوں میں سے بہترین شخص وہ ہے جو قرآن شریف کو سیکھے اور سکھائے
(نقل کیا اسکو بخاری نے)

مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ وَعَمِلَ بِمَا فِیْہِ اُلْبِسَ وَالِدَاہُ تَاجًا یَّوْمَ الْقِیٰمَۃِ ضَوْءُہٗ اَحْسَنُ مِنْ ضَوْءِ الشَّمْسِ فِیْ بُیُوْتِ الدُّنْیَا لَوْ کَانَتْ فِیْکُمْ فَمَا ظَنُّکُمْ بِالَّذِیْ عَمِلَ بِھٰذَا [1]

جس شخص نے قرآن شریف پڑھا اور ان احکام پر عمل کیا جو اس میں ہیں تو قیامت کے دن اس کے والدین کو ایسا تاج پہنایا جائے گا کہ اس کی روشنی اس سورج کی روشنی سے عمدہ اور زائد ہوگی جو کسی کے گھر میں اتر آئے یعنی اگر سورج کسی کے گھر میں ہو تو کتنی زائد روشنی ہوگی اس تاج کی روشنی اس سے بھی زائد ہوگی، پس اب تمہارا کیا گمان ہے اس شخص کے بارہ میں کہ جس نے اس پر عمل کیا، یعنی ایسے شخص کو بہت بڑی بڑی نعمتیں ملینگی۔

تنبیہ۔ جو لوگ قرآن شریف کے احکام کی پابندی نہیں کرتے ہیں، وہ اور اُن کے والدین اس نعمت عظمیٰ سے محروم رہیں گے، ایسے لوگوں کو اس کا اہتمام کرنا چاہئے،

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ مَنْ شَغَلَ الْقُرْاٰنُ عَنْ ذِکْرِیْ وَمَسْئَلَتِیْ اُعْطِیْہِ اَفْضَلَ مَا اُعْطِی السَّآئِلِیْنَ ۔
(جامع الترمذی)

حضرت عبداللہ بن مسعود رض سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ عزوجل فرماتے ہیں کہ جس شخص کو قرآن شریف نے میرے ذکر سے اور مجھ سے سوال کرنے سے مشغول کردیا (روک دیا) یعنی وہ ہر وقت شب و روز قرآن شریف میں مشغول رہا تو میں اسکو اس اجر سے بہتر اور افضل اجر دوں گا جو اجر اور سائلین کو دونگا

ان احادیث اور آثار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے معلوم ہوا کہ تلاوت قرآن مجید تمام اوراد و وظائف سے افضل اور بہتر ہے، بشرطیکہ قواعد تجوید کے ساتھ پڑھے [2] جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے،

---

[1] رواہ احمد، ابوداؤد و صححہ الحاکم فضائل قرآن عن معاذ الجہنی

[2] اور ... کا احتیاط ہے کیونکہ ایک ایک حرف کو صحیح مخرج و صفات کے ساتھ نکالنے میں

دوسرا باب حرکات اور اعوذ باللہ و بسم اللہ کے بیان میں

پہلی فصل حرکات کے بیان میں۔ جاننا چاہیئے کہ زبر۔ زیر۔ پیش کو عربی میں حرکت کہتے ہیں اور جس حرف پر زبر۔ زیر۔ پیش ہوتا ہے اس کو متحرک (حرکت والا) کہتے ہیں پھر جانو کہ زبر کے دو[1] نام فتحہ اور نصب ہیں، اور زیر کے کسرہ اور جر اور پیش کے ضمّہ اور رفع ہیں۔

ف۔ جس حرف[2] پر زبر ہو اس کو مفتوح اور منصوب اور جس کے نیچے زیر ہو اسکو مکسور اور مجرور، اور جس پر پیش ہو اسکو مضموم اور مرفوع کہتے ہیں۔

دوسری فصل حرکات کے پڑھنے کے بیان میں۔ جاننا چاہیئے کہ جن حروف پر زبر۔ زیر۔ پیش یا جزم و تشدید ہو اُنکو پڑھنا چاہیئے اور جن حروف پر کچھ نہ ہو یعنی خالی ہوں تو ان کو نہ پڑھنا چاہیئے البتہ الف پڑھا جاتا ہے اور الف ہمیشہ ساکن ہوتا ہے اس پر کوئی حرکت نہیں آتی۔ اور تم کو جو الف کی شکل پر حرکت معلوم ہوتی ہے، وہ حقیقت میں ہمزہ ہوتا ہے، الف نہیں ہوتا، الف اور ہمزہ کا فرق بیان مخارج میں معلوم ہو جائیگا، جس حرف پر کھڑا زبر ہو اسکو ایک الف کی برابر کھینچ کر پڑھنا چاہیئے جیسے مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ اور جس پر الٹا پیش لکھا ہو جیسے لفظ دَاوٗدُ کی واوٗ پر تو اسے اُلٹے پیش کے ساتھ ایک واؤ ساکن معروف ملا کر پڑھنا چاہیئے، اور جس حرف کے نیچے کھڑا زیر لکھا ہو جیسے لفظ يُحْيٖ کی یا کے نیچے کھڑا زیر ہے تو اس کھڑے زیر کے ساتھ ایک یاء ساکن معروف ملا کر پڑھنا چاہیئے سوائے لفظ مَجْرٖىهَا کے، جو سورہ ہود کے چوتھے رکوع میں ہے، اس کھڑے زیر کو یاء مجہول کی طرح پڑھنا چاہیئے، جیسے اردو میں لفظ "ہمارے" کی را کو پڑھتے ہیں اکثر لوگ اس کھڑے زیر کو بھی اور کھڑے زیروں کی طرح معروف ہی پڑھتے ہیں، یہ غلط ہے، اس سے بچنا ضروری ہے کیونکہ

---

[1] رفع۔ نصب۔ جر، معرب کلمات کے اواخر پر بولے جاتے ہیں اور ضم، فتح، کسر صرف مبنی الفاظ کے اواخر کے لئے مخصوص ہیں اور ضمّہ۔ فتحہ۔ کسرہ معرب و مبنی دونوں کے لئے عام ہیں، اور اوائل، اواسط اور اواخر، سب حرکات پر ان کو بولا جاتا ہے۔

[2] حرف بمعنی کنارہ۔ یعنی وہ آواز جو کسی محقق اور معیّن یا مقدر اور غیر معیّن مخرج سے تعلق رکھے۔ (ہدیۃ الوحید)

تمام قرآن شریف میں فقط ایک جگہ امام حفص رح کی روایت میں امالہ ہے اور وہ یہی ہے امالہ کے معنی مائل کرنے کے ہیں یعنی الف کو یاء کی طرف اور زبر کو زیر کی طرف مائل[1] کرکے پڑھنا، دوسری[2] روایت میں بکثرت امالہ ہے۔

ف۔ واؤ معروف اور یاء معروف جس طرح استاد تبلاتے اسکو محفوظ کرلو، سمجھانے کی غرض سے ایک مثال لکھتا ہوں جیساکہ اردو میں جس طرح نور کی واؤ اور نانی کی یا، کا تلفظ کرتے ہیں اسکو واؤ معروف اور یاء معروف کہا جاتا ہے، اور جسطرح کور[3] کی واؤ اور بڑے کی یاء کا تلفظ کرتے ہیں اس واؤ اور یاء کو مجہول کہتے ہیں۔

تنبیہ۔ قرآن شریف میں سب حرکتیں معروف پڑھی جاتی ہیں مجہول نہیں، کیونکہ ایک زبر نصف الف اور ایک پیش نصف واؤ معروف اور ایک زیر نصف یاءمعروف ہوتا ہے، لہذا جس طرح یہ تینوں حروف الف. واؤ. یاء معروف پڑھے جاتے ہیں اسی طرح یہ حرکتیں بھی معروف ہی پڑھی جائیں گی لیکن اتنا نہ کھینچنا چاہیئے کہ زبر کے کھینچنے سے الف اور زیر کے کھینچنے سے یاء اور پیش کے کھینچنے سے واؤ پیدا ہو جائے جیسے اَلْحَمْدُ اَلْحَانْدُ یا اَلْحَمْدُ کو اَلْحَمْدُوْ یا لِلّٰہِ کو لِلّٰہِیْ پڑھ دیا تو گنہگار ہوگا کیونکہ یہ غلطی لحن جلی میں داخل ہے جسکا ذکر پیشتر آچکا ہے، خوب یاد کرلو۔

تیسری فصل۔ اعوذ باللہ اور بسم اللہ کے بیان میں۔ جاننا چاہیئے کہ قرآن شریف شروع کرنے سے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝ پڑھنا

---

[1] اس میں شک نہیں کہ اہل مصر و عرب کے بہت سے حرفوں کی ادا نہایت عمدہ اور قابل رشک ہوتی ہے مگر بکثرت امالۂ کبریٰ و صغریٰ میں یہ غلطی کرتے ہیں کہ کبریٰ میں الف کو بالکل یاء سے بدل دیتے ہیں اور صغریٰ میں اس قدر جھکاؤ ہوتا ہے کہ وہ صاف امالۂ کبریٰ معلوم ہوتا ہے حاصل یہ کہ استاذ سے مشق کرکے صحیح تلفظ سیکھنا بہت ضروری ہے۔

[2] یعنی روایت حفص رح کے علاوہ دوسری روایات میں۔

[3] کور فارسی لفظ ہے بمعنی نابینا اور لفظ میں اس کی مثال جیسے چور، شور، مور وغیرہ

[4] حاصل یہ کہ پیش کو ہونٹوں کی پوری گولائی، اور زیر کو ہونٹوں کے اور آواز کے پورے جھکاؤ اور زبر کو صاف اور سیدھا منہ کھول کر ادا کرنا چاہیے اور متحرک کلمات کی حرکات کو ایسی چستی اور سرعت کے ساتھ ادا کرے کہ ڈھیلا پن پیدا ہو کر کھنچ نہ جائیں۔ نہ صرف یہ کہ حروف مدہ نہ پیدا ہونے چاہئیں بلکہ ان کی بو تک بھی نہ آنے پائے۔

ضروری ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ[2] اور اس کا ترک کرنا آداب قرآن کے خلاف ہے، اور اگر شروع سورت سے تلاوت شروع کرے یا درمیان میں کوئی سورت شروع ہو گئی تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا بھی ضروری ہے کیونکہ ہر سورت کے شروع میں لکھی ہوئی ہے، البتہ سورۃ براءت کہ جسکو سورۃ توبہ کہتے ہیں، اس سے پہلے بسم اللہ نہ پڑھے اور اگر کسی سورت کے درمیان سے تلاوت شروع کی تو بسم اللہ پڑھنے نہ پڑھنے میں اختیار ہے[3]،

ف۔ تلاوت جب کسی سورت کے شروع سے کی جائے تو اعوذ باللہ اور بسم اللہ کے پڑھنے کی چار صورتیں ہیں،

(۱) اعوذ باللہ کے آخر یعنی رَجِیْم پر سانس توڑ دے، اسی طرح بِسْمِ اللّٰہِ کے آخر یعنی رَحِیْم پر سانس توڑ دے، اور تیسرے سانس میں سورت شروع کرے جیسے اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم، بسم اللہ الرحمن الرحیم، عَمَّ یَتَسَآءَلُوْنَ ۝ اس کو فصل کل کہتے ہیں

(۲) اعوذ باللہ کے رجیم پر اور بسم اللہ کے رحیم پر سانس نہ توڑے، بلکہ ایک سانس میں اعوذ باللہ اور بسم اللہ اور سورت کو ملا کر پڑھے، جیسے اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم عَمَّ یَتَسَآءَلُوْنَ ۝ اسکو وصل کل کہتے ہیں،

---

[1] جمہور علماء کے نزدیک اول قراءت میں استعاذہ شرعاً مستحب ہے۔ یہی مشہور قول ہے جیسا کہ حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ خود فرما رہے ہیں، کہ اس کا ترک کرنا آداب قرآنی کے خلاف ہے لہٰذا یہاں بھی ضروری سے مراد عرفی ضرورت ہے البتہ بعض علماء مثلاً عطاء، ثوری اور داؤد ظاہری کے نزدیک استعاذہ واجب ہے،

[2] ترجمہ:۔ جب آپ قرآن پڑھنا چاہیں تو شیطان مردود کے شر سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کریں،

[3] شروع سورت سے تلاوت کا آغاز کرے تو اسکو ابتداء تلاوت اور ابتداء سورت کہتے ہیں، اس وقت استعاذہ و بسملہ دونوں ضروری ہیں، دوسری صورت یہ کہ ابتداء تلاوت ہو مگر ابتداء سورت نہ ہو بلکہ درمیان سورت ہو اس میں استعاذہ ضروری ہے بسم اللہ پڑھنے اور نہ پڑھنے کا اختیار ہے، تیسری یہ کہ ابتداء سورت ہو ابتداء تلاوت نہ ہو مثلاً دوران تلاوت کوئی سورت شروع کرے تو صرف بسملہ ضروری ہے استعاذہ نہیں ہے، البتہ سورہ توبہ کے شروع میں کسی حال میں بھی بسم اللہ نہیں پڑھی جاتی۔

(۳) اعوذ باللہ کے رجیم پر سانس توڑ دے اور بسم اللہ کو سورت سے ملا کر ایک سانس میں پڑھے جیسے اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم ۝ بسم اللہ الرحمن الرحیم عَمَّ یَتَسَآءَلُوْنَ ۝ اس کو فصل اوّل اور وصل ثانی کہتے ہیں،

(۴) اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم ۝ کو ایک سانس میں اور سورت کو دوسری سانس میں پڑھے جیسے اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم ۝ عَمَّ یَتَسَآءَلُوْنَ ۝ اسکو وصل اوّل فصل ثانی کہتے ہیں،

ف۔ اگر ایک سورت کو ختم کر کے دوسری سورت کو شروع کرے تو پہلی تین صورتیں جائز ہیں اور چوتھی صورت یعنی وصل اوّل فصل ثانی ناجائز ہے[1] جیسے یٰلَیْتَنِیْ كُنْتُ تُرٰبًا ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۝

ف۔ اگر تلاوت، سورت کے درمیان سے شروع کرے اور بسم اللہ بھی پڑھی جائے تو صرف دو صورتیں جائز ہیں، ایک فصل کل، دوسری وصل اوّل اور فصل ثانی[2] اور اگر بسم اللہ نہ پڑھی جائے تو اعوذ باللہ کو علیحدہ ایک سانس میں اور آیت کی تلاوت دوسرے سانس میں شروع کرنا بہتر ہے، اگر اعوذ باللہ اور آیت کو ایک سانس میں ملا کر پڑھا تو بھی جائز ہے بشرطیکہ آیت کے شروع میں اللہ تعالیٰ کے صفاتی[3]

---

[1] کیونکہ بسم اللہ اگلی سورت کے شروع سے تعلق رکھتی ہے اور اس صورت میں ختم سورت سے تعلق ہونے کا وہم ہوتا ہے۔

[2] یہ مسئلہ کئی پہلوؤں سے مختلف فیہ ہے درمیان سورت سے ابتداء تلاوت ہو تو جمہور عراقیین کے نزدیک بسم اللہ کا پڑھ لینا اور جمہور مغاربہ و اہل اندلس کے یہاں نہ پڑھنا بہتر رہا ہے (نشر صفحہ ۲۶۵ ج ۱) اسی لئے متأخرین نے بسم اللہ کے پڑھنے اور نہ پڑھنے میں اختیار دیا ہے دوسری بات یہ ہے کہ اگر بسم اللہ پڑھی جائے تو کیا درمیان سورت سے اس کا وصل کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ صاحب اتحاف سختی سے منع کرتے ہیں اور صرف دو صورتیں یعنی فصل کل اور وصل اوّل فصل ثانی کو جائز فرماتے ہیں۔ (دیکھو تعلیقاتِ مالکیہ حاشیہ فوائد مکیہ صفحہ ۸) اور صاحب غیث النفع اور علامہ جزری رہ نشر میں ابتدا سورت کی طرح اجزاء سورہ میں بھی استعاذہ اور بسم اللہ کی چاروں صورتوں کو یکساں طریقہ پر جائز فرماتے ہیں (تفصیل کے لئے دیکھو غیث النفع علی سراج القاری صفحہ ۲۰ اور نشر ج ۱ صفحہ ۲۶۵)

[3] صفاتی نام ہو جیسے الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى یا ذاتی ہو جیسے اللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى دونوں کا ایک حکم ہے۔ غیث النفع)

ناموں میں سے کوئی نام نہ ہو ،

ف اعوذ باللہ اور بسم اللہ کو زور سے پڑھنے میں اختیار ہے ، چاہے جسطرح پڑھے لیکن بہتر یہ ہے کہ اگر قرآن شریف زور سے پڑھے تو اعوذ باللہ اور بسم اللہ بھی زور سے پڑھے اور اگر قرآن شریف آہستہ آواز سے پڑھے تو اعوذ باللہ اور بسم اللہ کو بھی آہستہ پڑھے ،

ف۔ تراویح اور نمازوں میں بسم اللہ کو آہستہ آواز سے پڑھنا چاہیئے، اور تراویح میں اسکا اہتمام کرے کہ جہاں کہیں سورت شروع ہو سوائے سورہ براءت کے، بسم اللہ کو آہستہ آواز سے پڑھ لیا کرے[1] ۔ البتہ سارے قرآن شریف میں کسی نہ کسی سورت پر ایک دفعہ زور سے بسم اللہ پڑھنا ضروری ہے سوائے سورہ براءت کے ، تراویح میں بسم اللہ زور سے پڑھنے میں کسی سورت کے ساتھ خاص نہ کرے کہ اکثر یا ہمیشہ اسی سورت پر پڑھے اس کو علماء فقہا نے منع کیا ہے ،

باب سوم حروف کے مخارج کے بیان میں

پہلی فصل ۔ جاننا چاہیئے کہ حروف ہجا کل انتیس[29] ہیں ، اور ان حروف کے مخارج سترہ[1] ہیں ، مخارج مخرج کی جمع ہے ۔ مخرج کے معنی نکلنے کی جگہ کے ہیں ، جہاں[2] سے حروف نکلتے ہیں انکو مخارج حروف کہتے ہیں ، حروف کے مخارج اکثر قراء[3] کے نزدیک

---

[1] اقوال قراء و ائمہ میں تطبیق کی یہی بہترین صورت ہے ، باقی روایت حفص میں بسم اللہ بین السورتین ہونے سے اسکی جزویت لازم نہیں آتی ، کتب مذہب میں تصریح ہے کہ بسم اللہ مطلق قرآن کا جزء ہے کسی خاص سورت کا یا ہر سورت کا جزء نہیں ، پس اسکا مقتضا یہ ہے کہ ایک جگہ جہر ضرور ہو، ورنہ سامعین کا قرآن پورا نہ ہوگا ، گو قاری کا تو اخفاء بسم اللہ میں بھی پورا ہو جائے گا (امداد الفتاوی ج۱ ص۳۰۶) اور قاری محی الاسلام صاحب پانی پتی فرماتے ہیں کہ واقعہ یہ ہے کہ اس فن کا اس بحث سے کوئی علاقہ نہیں ، اور نہ ائمہ قرارت سے جزویت یا عدم جزویت کے بارے میں کوئی نص ہے ۔ (شرح قرارت سبعہ ص۱۱۶ حاشیہ ۱ ۔ [2] مخارج کے اصول پانچ ہیں ۱ حلق اس میں تین مخرج ہیں ۲ زبان ، اس میں دس ہیں ۳ دونوں ہونٹ ، اس میں دو مخرج ہیں ۔ اور یہ تینوں موقع محقق مخرجوں کے ہیں ۴ جوف ، منہ کا خلا ، اس میں ایک مخرج ہے ۵ خیشوم ، اس میں بھی ایک ہے ، اور یہ دونوں موقع مقدر مخرجوں کے ہیں ۔ ہدیۃ الوحید

[3] جیسے خلیل بن احمد ، علامہ جزری اور ابوالقاسم ہذلی وغیرہم ۔

سترہ ہیں، (اور بعض کے نزدیک[1] سولہ اور بعض کے نزدیک[2] چودہ ہیں)

(۱) اقصائے حلق یعنی گلے کا وہ حصہ جو سینہ کی طرف ہے، اس سے (ء، ہ) نکلتے ہیں

(۲) وسط حلق یعنی گلے کا بیچ اس سے (ع، ح) نکلتے ہیں۔

(۳) ادنیٰ حلق، یعنی گلے کا وہ حصہ جو منہ کی طرف ہے، اس سے (غ، خ) نکلتے ہیں ان چھ حروف کو حلقیہ کہتے ہیں

(۴) زبان کی جڑ اور اوپر کا تالو اس سے (ق) نکلتا ہے

(۵) قاف کے مخرج سے ذرا منہ کی طرف ہٹ کر اس سے (ک) نکلتا ہے اور دونوں کو حروفِ لہویہ کہتے ہیں،

(۶) وسط زبان اور اوپر کا تالو، اس سے (ج، ش، ی) غیر مدّہ[3] نکلتے ہیں ان تینوں کو حروفِ شجریہ کہتے ہیں

ف۔ آگے آنے والے اکثر مخارج کا دانتوں سے تعلق ہے، اس لئے دانتوں کے نام لکھے جاتے ہیں، انسان کے منہ میں اکثر بتیس دانت ہوتے ہیں، سولہ اوپر اور سولہ نیچے، جن کی تفصیل یہ ہے کہ سامنے کے چار دانتوں کو ثنایا کہتے ہیں، دو اوپر والوں کو ثنایا علیا اور دو نیچے والوں کو ثنایا سفلی کہتے ہیں پھر ثنایا سے ملے ہوئے دائیں بائیں اوپر نیچے ایک ایک کل چار دانت ہیں، ان کو رباعیات کہتے ہیں اسی طرح رباعیات

---

[1] سیبویہ اور اکثر نحات کا یہی مذہب ہے، ان حضرت نے جوف دہن کا مخرج حذف کر دیا، واؤ کا مطلقاً انضمام شفتین اور یار کا مطلقاً وسط زبان اور تالو، اور الف کا مخرج اقصیٰ حلق قرار دیا ہے، نیز مکی ابن ابی طالب اور علامہ شاطبی کا بھی یہی مذہب ہے۔

[2] قطرب، جرمی، فراء اور ابن کیسان وغیرہم کا یہی مذہب ہے، ان حضرات نے جوف دہن کا مخرج ختم کرتے ہوئے لام، نون، راء، تینوں کا ایک ہی مخرج قرار دیا ہے [3] یار کی تین حالتیں ہیں متحرک(۱)، لین(۲)، اور مدّہ(۳)، پہلی دو حالتوں میں یار کا مخرج وسط زبان اور تالو ہے، اور یار مدّہ کے مخرج کا بیان آگے آتا ہے۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ یار متحرک میں وسط زبان کو اہتمام کے ساتھ تالو سے لگانا چاہیئے، صرف اشارہ سے جو غیر محقق ادا کی جاتی ہے، غلط ہے، اسیطرح یار لین اور (واؤ لین) کو وصل کی حالت میں مثل حروف مدّہ کے ڈھیل دے کر پڑھنا جس سے ان میں امتداد صوت پیدا ہو، غلط ہے، چونکہ ان کے مخرج محقق ہیں امتداد صوت کی بالکل گنجائش نہیں البتہ وقف میں گنجائش ہے مثلاً خَوْفٌ وَالصَّيْفُ پر طول یا توسط کیساتھ وقف کیا جائے گو اس پر بھی قصر افضل ہے، [4] رُبَاعِی بفتح را کی جمع ہے، اسلئے رُباعیات بضم را، بولنا غلط ہے،

سے ملے ہوئے جو چار دانت ہیں، وہ اَنیاب ہیں، اَنیاب سے ملے ہوئے جو چار دانت ہیں انکو ضَواحک کہتے ہیں پھر ضواحک سے ملے ہوئے تین اوپر تین نیچے دائیں بائیں کل بارہ دانت ہیں ان کو طَواحن کہتے ہیں، پھران طواحن سے ملے ہوئے اوپر نیچے دائیں بائیں ایک ایک کل چار دانت ہیں ان کو نَواجذ کہتے ہیں، ضَواحک اور طَواحن اور نواجذ ان بیس دانتوں کو اضراس یعنی داڑھیں کہتے ہیں، اس سب کو کسی نے خوب نظم کیا ہے، یاد کی آسانی کے لئے لکھتا ہوں،

ہے دانتوں کی تعداد کل تیس اور دو	ثنایا ہیں چار اور رَباعی ہیں دو، دو
ہیں انیاب چار اور باقی رہے بیس	کہ کہتے ہیں قرار اضراس انہیں کو
ضواحک ہیں چار اور طواحن ہیں بارہ	نواجذ بھی ہیں ان کے بازو میں دو دو

(۷) اوپر کی داڑھیں نواجذ سے ضواحک تک، یعنی پانچ دانت اور زبان کا بغلی کنارہ یعنی زبان کی کروٹ جسکو حافہ[1] کہتے ہیں اس سے (ض) نکلتا ہے، خواہ داہنی طرف سے ہو یا بائیں طرف سے، غرضیکہ دونوں طرف سے نکلتا ہے، محققین قرار کا تجربہ ہے کہ بائیں طرف سے ادا کرنے میں آسانی ہے، اور دائیں طرف سے ادا کرنا مشکل ہے اور دونوں طرف سے ایک ہی وقت میں ادا کرنا، یہ بہت ہی مشکل ہے، اسکو حافیہ کہتے ہیں،

تنبیہ:۔ اس حرف کو ادا کرنے میں بہت کوشش کرنی چاہیئے اور استاد کامل سے سیکھنا اور مشق کرنی چاہیئے۔ اتنا یاد رکھنا ضروری ہے کہ صحیح ادا کرنے میں اس کی آواز ظار کی آواز کے مشابہ[2] ہوتی ہے، اور یہ مشابہت بلا قصد ہوتی ہے، کیونکہ قصداً

---

[1] لفظ حافہ تخفیف فا بولنا چاہیے، تشدید کے ساتھ بولنا صحیح نہیں، (ملا علی قاری فی شرح المقدمہ صہ۱۲)

[2] بہت سے لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ یہ دال مفخم کے مشابہ ہے، اور موجودہ دور کے اہل عرب کے تلفظ سے استدلال کرتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اہل عرب کا تلفظ بجائے خود صحیح نہیں، وجہ یہ ہے کہ ضاد اور ظار میں اکثر صفات میں مماثلت ہے، جو لوگ دال مفخم کے مشابہ پڑھتے ہیں، وہ ضاد مشددہ یا ساکنہ میں دال کی طرح آواز بند کر دیتے ہیں، حالانکہ ضاد مثل ظار کے برطرح ہے آواز جاری رہنا چاہیے۔ مفصل بحث بڑی کتابوں میں مطالعہ کی جا سکتی ہے،

کسی حرف کو دوسرے حرف کے مشابہ پڑھنا جائز نہیں، خلاصہ یہ کہ دال کی آواز کے مشابہ پڑھنا صحیح نہیں، یہی ارشاد ہمارے فقہا کا بھی ہے، جس کی تفصیل کتاب القول الجمیل میں تحریر کی گئی ہے،

(۸) زبان کی کروٹ کو تالو کے اُس حصہ سے لگایا جائے جو ضواحک، انیاب، رباعی، ثنایا کے مسوڑھوں کے مقابل و متصل ہے اس سے (ل) نکلتا ہے، یہ بھی مثل ضاد کے دونوں[1] طرف سے ادا ہوتا ہے،

(۹) زبان کا سرا اور اوپر کا تالو اس سے (ن) نکلتا ہے،

(۱۰) زبان کی پشت کا سرا اور اوپر کا تالو اس سے (ر) نکلتی ہے،

ف۔ نون میں تالو کا وہ حصہ لگتا ہے جو ہونٹوں سے اقرب ہے، اور را میں وہ حصہ لگتا ہے جو حلق سے قریب ہے، غرضیکہ بہت قریب قریب مخرج ہے، اور پشت زبان کی وجہ سے فرق ہو جاتا ہے، ان تینوں کو حروف ذَلقِیَہ کہتے ہیں،

(۱۱) زبان کا سرا اور ثنایا علیا کی جڑ، اس سے (ت، د، ط) نکلتے ہیں ان کو حروف نِطعِیَہ[2] کہتے ہیں،

(۱۲) زبان کا سرا اور ثنایا علیا کا وہ کنارا جو مسوڑھوں کے قریب اور اس سے ملا ہوا ہے اس سے (ث، ذ، ظ) نکلتے ہیں ان کو حروف لِثوِیَہ[3] کہتے ہیں

تنبیہ۔ بعض کتابوں میں مخرج انکا ثنایا علیا کا کنارہ لکھا ہے، اس سے مراد یہی ہے جو میں نے بیان کیا ہے، اور دانتوں کی نوک مراد لینا درست نہیں،

---

[1] یعنی دائیں طرف سے ادا کرنا بھی صحیح ہے اور بائیں طرف سے بھی، مگر اکثر علماء تجوید کے نزدیک لام کی ادائیگی دائیں جانب سے زیادہ سہل ہے اور ضاد کی ادائیگی بائیں طرف سے سہل ہے، (نہایۃ القول المفید ص۳۳

[2] نون کے زیر اور طا کے زبر یا سکون کے ساتھ دونوں طرح صحیح ہے، (منجد اللغات)

[3] لام کے زیر اور ثار کے زبر کے ساتھ (منجد اللغات) [4] چنانچہ نہایت القول المفید میں بھی اسی طرف اشارہ ہے،

المخرج الرابع عشر، مابین ظهر اللسان مما یلی راسه وبین راسی الثنیتین العلیتین ویخرج منه ثلثة احرف، الذال والثاء والظاء ۲۵

چودھواں مخرج زبان کے سرا سے متصل ہی پشت زبان اور ثنایائے علیا کے دونوں سروں کا درمیان ہے اور اس سے تین حروف ذال، ظا اور ثا نکلتے ہیں،

(۱۳) زبان کی نوک اور ثنایا سفلی کا کنارہ مع اتصال ثنایا علیا، اس سے (ز، س، ص) نکلتے ہیں، ان کو حروف اَسَلِیَّہ اور صفیرہ کہتے ہیں،

(۱۴) نیچے کے ہونٹ کا شکم اور ثنایا علیا کا کنارہ، اس سے (ف) نکلتی ہے،

(۱۵) دونوں ہونٹ، اس سے (ب، م، و) نکلتے ہیں، بؔ تری سے، مؔ خشکی سے اور دونوں ہونٹوں کے کناروں کو اس طرح بند کیا جائے کہ بیچ کھلا رہے، اس سے وؔ[1] نکلتا ہے، ان چاروں کو شفویہ کہتے ہیں،

(۱۶) جوف یعنی منہ کا خلا اس سے حروف مدہ ادا ہوتے ہیں، حروف مدہ تین ہیں ایک واؤ ساکن جبکہ اس سے پہلے پیش ہو، دوسرا یائے ساکن جبکہ اس سے پہلے زیر ہو، تیسرا حرف الف ہے، الف سے پہلے ہمیشہ زبر ہوتا ہے، اور ہمیشہ مدہ ہوتا ہے، اب سنو الف جوف حلق سے، واؤ جوف لب سے یا جوف دہن سے، ان کی انتہا منہ کی ہوا پر ہوتی ہے اس لئے ان کو جوفی اور ہوائی کہتے ہیں،

(۱۷) خیشوم یعنی ناک کا بالسہ اس سے غنہ ادا ہوتا ہے، غنہ ایک آواز کا نام ہے جو صفت لازمہ[2] ہے نون اور میم کی، مراد اس سے وہ غنہ ہے جو نونِ اخفا میں کیا جاتا ہے اور مدغم بادغام ناقص ہیں،

ف۔ لہات حلق کے کوے[3] کو کہتے ہیں، شجر[4] کے معنی بیچ کے آتے ہیں، حافہ کروٹ کو دتؔ زبان کے کنارہ کو، نطع پستی[5] اور نیچائی کو، لِثَہ[6] مسوڑھے کو، اَسَلہ تیزی[7] زبان اور

---

[1] یا کی طرح واؤ کی بھی تین حالتیں ہیں، متحرکہ، لین اور مدہ یہاں پہلی دو کے مخرج کا بیان مقصود ہے واؤ مدہ آگے آتی ہے، [2] صفت لازمہ ہے اسی وجہ سے بہرحالت غنہ کسی نہ کسی صورت میں ضرور پایا جاتا ہے خواہ معمولی طور پر ہو جیسے نون و میم مظہرہ میں (نون میم متحرکہ اور نون ساکن قبل حروف حلقیہ اور میم ساکن قبل غیر المیم والباء، مظہرہ ہیں) یا بقدر ایک الف کچھ وقت تک پڑھا جائے اول کو غنہ آنی اور دوسرے کو غنہ زمانی کہتے ہیں یہ غنہ زمانی، نون و میم مشددہ میں بطور صفت کے اور نون و میم مخفاۃ میں بطور ذات کے ہوتا ہے کیونکہ اخفا کی حالت میں ان دونوں کا مخرج ہی خیشوم ہوتا ہے اور ادغام بالغنہ کے وقت نون کا مخرج تو مدغم فیہ کے مخرج سے بدل جائے گا اور بقدر ایک الف غنہ بطور صفت ادا کیا جائیگا [3] کوا۔ اردو میں اس نرم گوشت کو کہتے ہیں جو ہڈی والے تالو کے حصہ کے ختم ہونے کے بعد حلق کے نشیب کی طرف لٹکا ہوتا ہے [4] شجر بفتح شین وسکون جیم، منہ کا وہ حصہ جو فطری طور پر منہ کے بند کر لینے کے وقت زبان اور تالو کے درمیان کشادہ رہتا ہے، شرح مقدمہ ملا علی قاری ص۱۲ [5] نطع بکسر نون وسکون طاء یا بکسر نون وفتح طاء دونوں طرح صحیح ہے ثنایا علیا اور تالو کے غار کے درمیان جو ابھری ہوئی لکیریں ہیں جس میں چٹائی کے سے نشان ہیں انکو نطع کہتے ہیں (منجد اللغات) یہ نام قریب کی بنا پر رکھا گیا ہے یعنی حروف نطعیہ کا مخرج نطع سے قریب ہی واقع ہے (شرح المقدمۃ للقاری) [6] لِثہ بکسر اول وفتح ثانی مسوڑھے (منجد)

روانی زبان کو، شفت ہونٹ کو کہتے ہیں ،

ف ہمزہ اور الف کے مخرج سے معلوم ہو گیا کہ الف ہمیشہ ساکن ہوتا ہے ، اور اس کے پڑھنے میں جھٹکا نہیں ہوتا اور ہمزہ متحرک ہوتا ہے ، اور ساکن ہونے کی صورت میں جھٹکا ہوتا ہے جیسے یَأْکُلُ لہذا جو شکل الف لکھا ہو اور اس پر حرکت ہو تو وہ ہمزہ ہے الف نہیں جیسے لفظ اَلْحَمْدُ میں اس کو خوب سمجھ لو۔

دوسری فصل۔ حرف کے صحیح مخرج معلوم کرنے کا قاعدہ:۔ اساتذہ فن نے یہ بیان فرمایا ہے کہ جس حرف کا مخرج معلوم کرنا ہو اس حرف کو ساکن کرکے اس سے پہلے ہمزہ مفتوحہ لاکر تلفظ کرو جیسے اَبْ ، اَتْ اگر حرف کے مقررہ مخرج میں آواز ٹھہرے تو سمجھ لو کہ حرف صحیح ادا ہوا ، ورنہ غلط ، پھر اس غلط کے صحیح ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے ، تاکہ حرف صحیح ادا ہو سکے ، کیونکہ تجوید کا موضوع اصل حروف ہی ہیں اور غایت تصحیح حروف ؛ اگر حروف صحیح ادا نہ ہوئے تو قرآن شریف کے پڑھنے میں غلطیاں ضرور ہوں گی ، اور غلط پڑھنے کا حکم شروع کتاب میں معلوم ہو چکا ہے ،

تنبیہ۔ اگر مشق کرنے اور تصحیح حروف کے مقرر کردہ طریق سے کسی شخص کو اطمینان ہو جائے کہ میں صحیح حروف ادا کرتا ہوں تو اس پر اعتماد نہ کرنا چاہیئے ، بلکہ اس فن کا جاننے والا جب تک تصدیق نہ کرے ، وہ قابل اعتبار نہیں لہذا ایسے شخص کو چاہیئے کہ کسی قاری کو سنا کر تصدیق کرا لے ،

باب چہارم صفات لازمہ کے بیان میں

صفت کے معنی حالت اور کیفیت کے ہیں ، اور لازمہ کے معنی یہ ہیں کہ ہمیشہ رہنے والی یعنی جب حرف ادا کیا جائے تو وہ حالت اور کیفیت ضرور ہو ، اسی وجہ سے ان کو ذاتیہ اور ضروریہ بھی کہتے ہیں ، صفات لازمہ بھی مخارج کی طرح سترہ ہیں جن میں سے دس صفات متضادہ ہیں یعنی پانچ ، پانچ کی ضد ہیں اور سات غیر متضادہ ہیں

پہلی فصل صفات متضادہ کے بیان میں :۔ پہلی صفت ہمس ہے ہمس کے معنی پستی و ضعف کے ہیں اس کے ادا ہوتے وقت آواز مخرج میں ایسے ضعف سے ٹھہرتی ہے کہ سانس جاری رہتا ہے جیسے نَاسِ کا سین ، یہ صفت دس حرفوں

میں پائی جاتی ہے، جن کا مجموعہ فَحَثَّہٗ شَخْصٌ سَکَتَ ہے ان کو حروف مہموسہ کہتے ہیں۔ دوسری صفت، اس کی ضد جہر ہے جہر کے معنٰی بلندی اور قوت کے ہیں اس کے ادا کرتے وقت آواز مخرج میں ایسی قوت کے ساتھ ٹھہرتی ہے کہ سانس بند ہو جاتا ہے جیسے مُحِیْط کی طا، حروف مہموسہ کے سوا باقی اُنیس حروف کو مجہورہ کہتے ہیں، تیسری صفت شدت ہے شدت کے معنی سختی کے ہیں اس کے ادا کرتے وقت آواز مخرج میں ایسی سختی کے ساتھ ٹھہرتی ہے کہ بند ہو جاتی ہے جیسے حَقِیق کا قاف، یہ صفت آٹھ حرفوں میں ہے جن کا مجموعہ اَجِدُ قَطٍ بَکَتْ ہے، ان کو حروف شدیدہ کہتے ہیں، چوتھی صفت اس کی ضد رخاوت ہے، رخاوت کے معنی نرمی کے ہیں اس کے ادا کرتے وقت آواز مخرج میں ایسی نرمی کے ساتھ ٹھہرتی ہے کہ جاری رہتی ہے جیسے منفوش کا شین، یہ صفت آٹھ شدیدہ اور پانچ متوسط کے سوا باقی سولہ حروف میں پائی جاتی ہے ان کو حروف رخوہ کہتے ہیں حروف متوسط

ف یہاں تک چار صفتیں ہوئیں، ہمس، اسکی ضد جہر اور شدت، اسکی ضد رخاوت ان میں بنیادی فرق یہ ہے کہ پہلی دو صفتوں میں آواز کی بلندی اور پستی کا بیان ہے، اور دوسری دو میں آواز کے جاری ہونے اور بند ہونے کا بیان ہے مطلب یہ کہ بعض حرفوں میں آواز جرس کی سی کھنکتی ہوئی جھنکار لیسا ہوتی ہے ان کو مجہورہ کہا جاتا ہے، اور بعض میں پست ہوتی ہے وہ مہموسہ کہلاتے ہیں اس کو محسوس مثال میں یوں سمجھو کہ ایک آواز گھنٹی کی ہوتی ہے اور ایک آواز وہ ہے کہ لکڑی کو مثلاً روئی پر مارنے سے پیدا ہو، پہلی قسم کی آواز کو عربی میں جہر اور دوسری آواز کو ہمس کہتے ہیں، چنانچہ ملا علی قاری (علیہ رحمۃ الباری) فرماتے ہیں

والھمسُ صوتٌ خفیٌّ یُشْبِہُ صوتَ اخفافِ الإبلِ — ہمس ایسی پست آواز کہلاتی ہے جو اونٹوں کے ریت پر چلنے کے

اذا سارتْ فوقَ الرَّملِ (شرح شاطبیہ صفحہ ۲۲) — وقت ان کے پاؤں کی آواز سے مشابہ ہو،

حروف مہموسہ میں آواز پست ہوتی ہے تو ان حروف کے ساتھ سانس میں جریان ممکن ہوتا ہے کیونکہ سانس بھی نہایت پست بلکہ غیر مسموع کیفیت ہوتی ہے، بخلاف مجہورہ کے کہ ان میں آواز بلندی کے ساتھ ہوتی ہے اور تمام سانس آواز میں منتقل ہو جاتا ہے اور اپنی غیر مسموعی کیفیت پر باقی نہیں رہتا "جہر میں سانس کے بند" ہونے کا یہی مطلب ہے اور شدت و رخاوت میں آواز کی ایک دوسری کیفیت سے بحث مقصود ہے رخاوت یہ کہ آواز میں ایسی نرمی ہو کہ ساکن پڑھتے وقت اگر اس آواز کو دیر تک جاری رکھنا چاہیں تو رکھ سکیں، قطع نظر اس سے کہ وہ آواز جہری ہو یا پست ہو، اور شدت یہ کہ آواز مخرج میں ایسی مضبوطی کے ساتھ ٹھہرے کہ سکون کی حالت میں جاری نہ رہ سکے بلکہ بند ہو جائے، عام اس سے کہ وہ آواز بلند ہو یا پست ہو، حاصل یہ کہ چاروں صفتوں کو خلط کرنے سے حروف کی چار قسمیں ہوئیں۔

[1] مجہورہ شدیدہ۔ کل چھ حروف ہیں، ہمزہ، جیم، دال، قاف، طار اور با یعنی ان میں آواز بلند اور بند ہوگی،

[2] مجہورہ رخوہ۔ کل آٹھ حروف ہیں، الف، واؤ، یا، ذال، زا، ضاد، ظا، اور غین یعنی ان میں آواز بلند اور جاری ہوگی۔

[3] مہموسہ شدیدہ۔ کاف اور تار فقط، آواز پست اور بند ہوگی۔

[4] مہموسہ رخوہ۔ کل آٹھ حروف ہیں، ثا، حا، خا، سین، شین، صاد، فا اور ھا یعنی ان میں آواز پست ہوگی اور جاری رہیگی، اور حروف متوسط تمام مجہورہ ہیں

کا مجموعہ لِنْ عُمَرُ ہے، ان کے ادا ہوتے وقت آواز مخرج میں نہ بالکل رکتی ہے، اور نہ بالکل جاری رہتی ہے، بلکہ درمیانی حالت ہوتی ہے، اسی واسطے اُنکو بین بین بھی کہتے ہیں
ف ۔ انتیس حروف میں سے بعض میں شدت اور بعض میں رخاوت اور بعض میں صفت متوسطہ ہے۔ اور ایک شیٔ کی ضد کئی ہو سکتی ہیں، اس لئے یہاں شدت جسطرح رخاوت کی ضد ہے، اسی طرح متوسطہ کی بھی ہے، غرضیکہ ہر ایک دوسری دونوں کی ضد ہے کیونکہ ضد آپس میں جمع نہیں ہوتیں، اور یہاں ایسا ہی ہے، اس بیان سے ظاہر ہو گیا کہ صفات متضادہ گیارہ ہونی چاہئیں، مگر چونکہ ہر ہر حرف میں پانچ ہی صفات ان میں سے ہوتی ہیں، اور متوسطہ شدت یا رخاوت کی پوری مقابل نہیں، اس لئے دس صفات مشہور ہیں، خوب سمجھ لو۔ پانچویں صفت استعلاء ہے استعلا کے معنی اوپر کیجانب اٹھنا، اس کے ادا ہوتے وقت زبان اوپر تالو کی طرف اُٹھتی ہے جیسے مِرْصَاد کی صادٗ یہ صفت سات حرفوں میں ہے جن کا مجموعہ خُصَّ ضَغْطٍ قِظْ ہے انکو حروف مستعلیہ کہتے ہیں، اور چونکہ ان میں زبان اوپر کو اُٹھتی ہے اسی وجہ سے یہ حروف موٹے ہوتے ہیں، چھٹی صفت اس کی ضد استفال ہے، استفال کے معنی نیچے رہنا۔ اس کے ادا ہوتے وقت زبان اوپر نہیں اٹھتی بلکہ نیچے رہتی ہے، اسی وجہ سے یہ حروف باریک رہتے ہیں جیسے غَنِيْث کی ثا، حروف مستعلیہ کے سوا باقی بائیس حروف میں یہ صفت ہے، اور ان کو حروف مستفلہ کہتے ہیں، ساتویں صفت اطباق ہے اطباق کے معنی لپٹنے اور اچھی طرح سے ملنے کے ہیں، اس صفت کے ادا ہوتے وقت زبان کا اکثر حصہ اوپر کے تالو سے لپٹ[1] جاتا ہے جس کی وجہ سے خوب بھری ہوئی اور موٹی آواز نکلتی ہے جیسے طَارِق کی طا، یہ صفت چار حروف میں ہے وہ ظا، طا، صاد، ضاد ہیں ان کو حروف مطبقہ کہتے ہیں

---

[1] اطباق کے معنی کسی چیز کو ڈھانپنا یا بند کرنا ہیں، اسی وجہ سے بار اور میم میں کہا جاتا ہے کہ وہ اطباق شفتین سے ادا ہوتے ہیں، یعنی ان دونوں میں لب بند ہو جاتے ہیں یہاں صفت اطباق سے مراد یہ ہے کہ تالو میں جو غار ہے ان حرفوں کے ادا ہوتے وقت زبان کا اکثر حصہ اس کو ڈھانپ دیتا ہے اور حروف مستعلیہ غیر مطبقہ میں یہ صورت نہیں ہوتی صرف زبان کی جڑ اوپر کیطرف بلند ہوتی ہے،

ف - ان حروف میں چونکہ زبان اوپر کے تالو سے لپٹ جاتی ہے، اسوجہ سے زائد موٹے ہوتے ہیں، اس سے ظاہر ہو گیا کہ جو حروف صرف مستعلیہ ہیں ان میں ایک درجہ کی تفخیم ہوگی، اور جن میں دونوں صفتیں ہیں ان میں دو درجے کی، لہذا اس کا خیال[1] رکھنا چاہیئے، آٹھویں صفت اس کی ضد انفتاح ہے انفتاح کے معنی جدا اور علیحدہ ہونے کے ہیں اس کے ادا ہوتے وقت زبان کا بیچ تالو سے نہیں لپٹتا بلکہ الگ رہتا ہے جیسے تابوت کی تار، حروف مطبقہ کے سوا باقی پچیس حروف میں یہ صفت ہے، اور ان کو حروف منفتحہ کہتے ہیں، نویں صفت اذلاق ہے اذلاق کے معنی زبان اور ہونٹ کے کنارے سے ادا ہونا، یعنی اس کے ادا ہوتے وقت آواز مخرج سے آسانی اور جلدی سے نکل جاتی ہے کوئی گرانی نہیں ہوتی جیسے قل کا لام، اس کے چھ حروف ہیں جن کا مجموعہ فَرَّ مِنْ لُبِّ ہے، ان کو حروف مذلقہ کہتے ہیں، دسویں صفت اس کی ضد اصمات ہے اصمات کے معنی روکنے کے ہیں اس کے ادا ہوتے وقت آواز رک کر گرانی سے نکلتی ہے جیسے مُحَمَّدٌ وَّذُ کی ذال حروف مذلقہ کے علاوہ باقی تیئس حروف میں یہ صفت ہے کہ ان کو حروف مُصمتہ کہتے ہیں،

ف - ان صفات میں سے ہر حرف میں پانچ صفات ضرور ہوں گی، میں نے جو مثالیں لکھی ہیں، جن جن حروف میں وہ صفتیں ہیں، دوسرے حروف میں ان کی ضد ہوگی، لہذا جس حرف کے متعلق سوال ہو کہ اس میں کونسی صفات ہیں، تو شروع سے غور کرو، جو صفات آپس میں ضد ہیں ان میں سے ایک اس حرف میں ضرور ہوگی

ف - صفات کے بیان سے معلوم ہو گیا کہ دال میں شدت ہے اور اس میں آواز بند ہو جاتی ہے اور ضاد میں رخاوت ہے اور اس میں آواز جاری رہتی ہے پس اگر ضاد کو مشابہ دال کے پڑھا جائے گا، تو صفت رخاوت ادا نہ ہوگی اور اگر صحیح پڑھا جائے گا تو صفت رخاوت ادا ہوگی، اور ظا سے بلا قصد تھوڑی مشابہت[2] ہوگی

---

[1] نیز یہ بھی خیال رکھنا چاہیئے کہ ہونٹوں کو گول کر کے حروف مفخمہ کی تفخیم کر لوا کرنا غلط ہے فنی لحاظ سے ایسی ادا قابل اعتراض ہے [2] کیونکہ ضاد اور ظاء دونوں اکثر صفات میں مشترک ہیں چنانچہ جہر، رخاوت، استعلاء، اطباق اور اصمات میں دونوں شریک ہیں البتہ صفت استطالہ جیسا ذکر آگیا ہے یہ صرف ضاد میں پائی جاتی ہے ظا میں نہیں۔

دوسری فصل ۔ صفات غیر متضادہ کے بیان میں :۔ جن حروف میں یہ صفات پائی جاتی ہیں ، ان کا نام مقرر ہے اور جن میں یہ صفات نہیں ہوئیں بلکہ ان کی ضد ہوتی ہے ، ان کا نام کوئی مقرر نہیں اس لئے ان کو صفات غیر متضادہ کہتے ہیں ، صفات غیر متضادہ سات ہیں ، پہلی صفت صفیر ہے صفیر کے معنی مثل سیٹی کے ہیں کیونکہ ان کے ادا ہوتے وقت آواز سیٹی کی طرح نکلتی ہے جیسے عزیز کی زاء ، یہ صفت تین حروف[1] میں پائی جاتی ہے ، وہ ز ، س ، ص ، ہیں ان کو حروف صفیرہ کہتے ہیں ۔

ف ۔ باقی چھبیس حروف میں یہ صفت نہیں بلکہ اس کی ضد ہے ، مگر چونکہ اس ضد کا کوئی نام نہیں اس لئے اس صفت کو غیر متضادہ کہتے ہیں ،

دوسری صفت قلقلہ ہے قلقلہ کے معنی جنبش اور حرکت کے ہیں ، حروف قلقلہ کی ادائیگی کے وقت ان کے مخرج میں ایک جنبش ہوتی ہے ۔ حالت سکون میں زیادہ اور حالت حرکت میں کم ، اور وقف کی حالت میں سکون سے بھی زیادہ حرکت ہوتی ہے ، یہ صفت پانچ حروف کی ہے جن کا مجموعہ قطب جد ہے اور مشہور ترین ان حروف میں قاف[2] ہے ۔ تیسری صفت لین ہے ، لین کے

---

[1] ۔ مثلاً س ، ص ، ز تین حرفوں کو صفیرہ کہتے ہیں ، اور ان تین کے علاوہ باقی تمام حروف میں یہ صفت نہیں ، غیر صفیرہ حرفوں کو کوئی نام نہیں دیا گیا ، کیونکہ نام کسی ایسی صفت کے لئے بولا جاتا ہے جو پائی جاتی ہو ، یعنی وجودی ہو عدمی نہ ہو ، اور " صفیرہ نہ ہونا " ظاہر ہے کہ مفہوم وجودی نہیں بلکہ عدمی ہے لہذا اس کا اعتبار نہیں کیا گیا ۔

[2] اور تمام علماء تجوید کے نزدیک حرف قلقلہ ہے باقی حروف میں اختلاف ہوا ہے ، چنانچہ تحفۂ نذریہ میں حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں " حروف قلقلہ پنج است ق ، ط ، ب ، ج ، د ومتفق علیہ جمیع قراء ومشہور ترین اینہا قاف است ودر باقی حروف اختلاف است " اور استاذ الاساتذہ حضرت قاری عبدالرحمٰن صاحب الہ بادی رحمۃ اللہ فوائد مکیہ میں فرماتے ہیں " مگر قاف میں قلقلہ واجب ، باقی چار حروف میں جائز ہے "

معنی نرمی کے ہیں، اس کے ادا کرتے وقت ایسی نرمی[1] ہوتی ہے کہ اگر مد کرنا چاہیں تو کرسکیں جیسے خوف اور بیت، یہ صفت واوٌ ساکن اور یاۓ ساکن کی ہے جبکہ ان سے پہلے زبر ہو، ان دونوں کو حرف لین کہتے ہیں،

چوتھی صفت انحراف ہے انحراف کے معنی پھرنا، لوٹنا ہیں، یہ صفت لام اور رار کی ہے، اس کے ادا ہوتے وقت زبان کا کنارہ دوسرے حروف کے مخرج کی طرف لوٹتا ہے، چنانچہ لام کے ادا کرتے وقت زبان کا کنارہ رار کے مخرج کی طرف اور رار کے ادا کرتے وقت لام[2] کے مخرج کی طرف لوٹتا ہے، اسی وجہ سے خیال نہ رکھنے کی وجہ سے بعض اوقات را کی جگہ لام ادا ہو جاتا ہے، خصوصاً اکثر بچوں سے ایسا ہی ہوتا ہے، ان دونوں کو حروف منحرفہ کہتے ہیں،

پانچویں صفت مشابہت[3] تکرار ہے، اس کے معنی تکرار کی طرح ہونا ہیں اس کے ادا ہوتے وقت زبان میں رعشہ اور[4] لرزہ پیدا ہوتا ہے، اس وقت آواز میں تکرار کی مشابہت پیدا ہو جاتی ہے، اس کو حروف مکرّر کہتے ہیں،

تنبیہ۔ اس صفت کے ادا کرنے میں بہت خیال رکھنا چاہیئے، تاکہ ڈررا معلوم نہ ہوں، کیونکہ تکرار سے بچنا ضروری ہے اور اس کا طریقہ اساتذہ نے یہ لکھا ہے

---

[1] چونکہ حروف لین کا مخرج مقدر نہیں بلکہ محقق ہے، اس سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ حروف لین میں مدیت اور نرمی بالکل نہ ہونی چاہیئے کیونکہ مدیت اسوقت صحیح ہوسکتی ہے جب آواز جوف دہن سے تعلق رکھتی ہو اور ان کا مخرج جوف دہن نہیں، بلکہ واؤ میں انضمام شفتین اور یار میں وسط زبان اور تالو ہے، اس خیال میں یہ غلطی ہوسکتی تھی کہ حروف لین کی ادا میں آواز بالکل بند کردی جائے جیساکہ بعض لوگوں میں اسکا مشاہدہ بھی ہے، صفت لین سے اسی کی اصلاح کی گئی ہے کہ آواز بند نہ ہونی چاہیے، کیونکہ یہ حروف رخوہ میں سے ہیں البتہ وصل کی حالت میں ان حروف کو حروف مدہ کی طرح ڈھیلے اور لمبے کرکے نہیں پڑھنا چاہیے۔ کیونکہ انکا مخرج جوف دہن نہیں ہے

[2] نیز پشت زبان کی طرف بھی میلان ہوتا ہے۔

[3] اس صفت کا اصلی نام تو "تکریر" ہے مگر مصنف رحمۃ اللہ نے اس صفت کا غلط مطلب لینے سے بچانے کے لئے اسکو "مشابہت تکرار" کا نام دیا ہے، تاکہ تکرار حقیقی نہ پیدا ہو، کیونکہ تکرار کے معنی کسی چیز کا بار بار ہونا ہے، لہذا اگر یہ مطلب لیا جائے کہ ایک رار کی جگہ کئی رار ادا ہوں تو ظاہر ہے کہ یہ غلط مطلب ہوگا،

[4] یعنی رار کو ایسی لطافت سے ادا کیا جائے کہ نوک زبان میں ایک ارتعاش اور کپکپی ہو مگر وہ سامع کو محسوس نہ ہو،

کہ زبان کو را کے مخرج میں مضبوطی[1] کے ساتھ لگائے رکھیں، اور جن کتابوں میں تکرار کو صفت قرار دیا ہے، اس سے مراد مشابہت تکرار ہی ہے، تجوید کی معتبر کتابوں میں اسی طرح لکھا ہے

چھٹی صفت تفشی ہے تفشی کے معنی آواز کا منہ میں پھیلنا۔ اس کے ادا ہوتے وقت آواز مخرج میں پھیل کر نکلتی ہے، یہ صفت صرف شین کی ہے، اسکو حرف تفشی کہتے ہیں،

ساتویں صفت استطالت ہے یہ صفت صرف ضاد کی ہے، استطالت کے معنی درازی چاہنا، یعنی اس کے ادا ہوتے وقت مخرج میں حافۂ زبان کے شروع سے آخر حافہ تک آواز کو امتداد یعنی درازی رہتی ہے، جتنا اس کا مخرج طویل ہے اتنی ہی آواز بھی مخرج میں طویل ہوتی ہے[2]،

باب پنجم صِفات عارِضہ کے بیان میں

جاننا چاہیے کہ صفات عارضہ ان صفات کو کہتے ہیں کہ کبھی ہوں اور کبھی نہ ہوں لہٰذا اس باب میں حروف کے وہ حالات بیان ہوں گے، جو بعض وقت ہوں اور بعض وقت[3] نہ ہوں

پہلی فصل تفخیم و ترقیق کے بیان میں :۔ تفخیم کے معنی موٹا اور پُر کرنے کے اور ترقیق کے معنی باریک کرنے کے ہیں، یہ معلوم ہو چکا ہے کہ صفات لازمہ میں سے ایک صفت استعلاءُ بھی ہے، اس کے سات حروف ہیں، اور یہ حروف ہر حال میں پُر پڑھے جاتے ہیں اور ان کے علاوہ باقی سب حروف مستفلہ ہیں، وہ باریک پڑھے جاتے ہیں، لیکن ان حروف مستفلہ میں سے چار حروف ایسے ہیں کہ وہ بعض صورتوں میں موٹے[4] پڑھے جاتے ہیں، وہ حروف یہ ہیں (۱) لفظ اللہ کا لام جبکہ اس سے

---

[1] مگر اسقدر مضبوطی بھی نہیں کہ آواز مثل شدیدہ حرفوں کے بند ہو جائے یہ اسکے توسط اور اذلاق کے منافی ہوگا [2] یاد رکھو کہ ان صفات لازمہ میں سے جہر شدت، استعلا، اطباق، اصمات، صفیر، قلقلہ، انحراف، تکریر، تفشی، استطالت گیارہ صفات قوی ہیں اور باقی ضعیف ہیں۔ [3] بخلاف صفات لازمہ کہ وہ ہر حال میں لزوماً پائی جاتی ہیں [4] یہ موٹا پڑھا جانا، ان کی عارضی صفت ہے لہٰذا یہ اعتراض نہیں ہونا چاہیے کہ جب استفال صفت لازمی ہے تو یہ تفخیم ان حرفوں میں کیوں پیدا ہوئی؟ بات یہ ہے کہ شی کی ایک اصلی حالت ہوتی ہے اور ایک عارضی، حالت اصلیہ کے لحاظ سے تو یہ مستفلہ ہی ہیں، اسی وجہ سے ان حرفوں کی باریکی کسی سبب پر موقوف نہیں اور تفخیم چونکہ خلاف اصل اور عارضی ہے اسی لئے وہ کسی سبب و شرط پر موقوف ہے لہٰذا بیک وقت دو متضاد صفتوں کا اجتماع ... [illegible]

پہلے حرف پر زبر یا پیش ہو جیسے وَاللّٰهُ ، رَسُوْلُ اللّٰهِ ۔ اور اگر اس لام سے پہلے زیر ہو تو باریک پڑھا جائے گا جیسے بِاللّٰهِ ۔

تنبیہ ۔ لفظ اَللّٰھُمَّ کا لام بھی چونکہ لفظ اللّٰہ[1] ہی کا لام ہے اسلئے اگر اس سے پہلے زبر یا پیش ہو تو پُر ہو گا ورنہ باریک ، بخلاف مَا وَلّٰىھُمْ کے لام کے ، کیونکہ یہ اللّٰہ کا لام نہیں اس لئے باریک ہی پڑھا جائے گا (۲) را ر ہے جبکہ اس پر زبر یا پیش ہو جیسے رَشَدًا اور رُشْدًا یا را ر ساکن ہو ، اس سے پہلے حرف پر زبر یا پیش ہو جیسے تَرْجِعُ تُرْجَعُ یا را ساکن سے پہلے زیر دوسرے[2] کلمہ میں ہو جیسے رَبِّ ارْجِعُوْنِ یا را ر ساکن سے پہلے زیر عارضی ہو جیسے اِرْجِعُوْا[3] ، یا را ساکن[4] کے بعد حروف مستعلیہ میں سے کوئی حرف مفتوح اسی کلمہ میں ہو جیسے مِرْصَادًا[5] اور اگر دوسرے کلمہ میں حرف استعلا ہو جیسے اَنْذِرْ قَوْمَكَ یا فَاصْبِرْ صَبْرًا[6] تو پھر حرف استعلاء کا کچھ اعتبار نہ ہو گا ، یا را ر وقف[7] کی وجہ سے ساکن ہو اور اس سے پہلے والا حرف بھی ساکن ہو تو را ر سے پہلے حرف پر اگر زبر یا پیش ہو جیسے قَدْرِهٖ اُمُوْرِهٖ یہ سب

لے اللّٰھُمَّ اصل میں یا اللّٰہُ تھا ، یا حرف ندا حذف کرکے اس کے عوض آخر میں میم مشدّد مفتوحہ بڑھادی گئی ہے ۔ ۲ے دوسرے کلمہ میں کسرہ ہو تو اسکو کسرہ منفصلہ کہتے ہیں ۔ اسکی دو صورتیں ہیں کسرہ منفصلہ اصلیہ جیسے رَبِّ ارْجِعُوْنِ کسرہ منفصلہ عارضیہ جیسے اِنِ ارْتَبْتُمْ اَمِ ارْتَابُوْا ، دونوں صورتوں میں را مفخم ہوگی ۔ ۳ے کیونکہ ہمزہ وصلیہ بذات خود عارضی ہے اسلئے اسکی حرکت بھی عارضی ہے ، ایسے کسرہ کو کسرہ متصلہ عارضیہ کہتے ہیں اس مقام پر ایک شبہ ہو سکتا ہے کہ جب را ساکن سے پہلے کسرہ منفصلہ ہو تو را پُر ہی ہوتی ہے لیکن لام اسم الجلالہ سے پہلے اگر اس قسم کا کسرہ آجائے تو وہ باریک ہو جاتا ہے ، اسکا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ لام میں اصل ترقیق ہی ہے لہذا کسرہ خواہ وہ ضعیف ہی ہو لام اپنی اصل یعنی ترقیق پر قائم رہیگا اور را میں اصل تفخیم ہے لہذا اسکو اصل سے پھیرنے کیلئے کوئی قوی سبب چاہیئے اور کسرہ عارضیہ یا منفصلہ ضعیف ہوتا ہے ، پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ لام میں اصل ترقیق تو ٹھیک ہے لیکن را میں اصل تفخیم کیوں ہے ؟ جبکہ صفات لازمہ کے لحاظ سے وہ بھی لام کیطرح مستفلہ ہی ہے اسکا جواب یہ دیا گیا ہے کہ را میں اسکی اپنی عارضی حالت کے لحاظ سے یہ تفخیم اصل ہے اور را اصل اس معنی کے اعتبار سے ہے کہ را اکثر حالات میں پُر ہی ہوتی ہے اور لام میں اصل ترقیق ہے کیونکہ اکثر حالات میں وہ باریک ہی ہوتا ہے ، یا را میں تفخیم اس لئے اصل ہے کہ اس میں پشت زبان کو بھی دخل ہے جو فی الجملہ اطباق کا محل ہے (کذا سمعت من الاستاذ المرحوم) لہذا مرعشی کا یہ قول کہ لام و را ر بحالت تفخیم ظاہر یہ ہے کہ حروف مستعلیہ میں سے ہیں (نہایت القول المفید صہ ۹) خلاف ظاہر ہے ۔ ۴ے یعنی را ساکن ما قبل مکسور کے بعد ۔ ۵ے اِرْصَادًا ، مِرْصَادًا اور (لَبِالْمِرْصَادِ) قِرْطَاسٍ ، فِرْقَةٍ قرآن میں یہ چار لفظ ہیں ۔ ۶ے دوسرے کلمہ میں حرف مستعلیہ کی قرآن میں کل تین مثالیں ہیں ، تیسری وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ ہے ، ۷ے وقف کی وجہ سے اس لئے فرمایا کہ یہ صورت ہمیشہ وقف ہی میں ہوتی ہے ۔

صورتیں تفخیم کی ہیں، ان کے علاوہ بقیہ سب صورتیں ترقیق کی ہیں، چنانچہ جب را کے نیچے زیر ہو جیسے شَرِبَ، یا را ساکن سے پہلے یا تے ساکنہ ہو جیسے خَیْرٌ۔ خَبِیْرٌ۔ تو ان سب صورتوں میں را باریک ہوگی لیکن فِرْقٍ کی را کو پُر اور باریک دونوں طرح پڑھنا جائز ہے[1]، را حمالہ اور وہ را جو وقف کیوجہ سے ساکن ہو اور اس سے پہلے والا حرف بھی ساکن ہو اور اس سے پہلے والے حرف پر زیر ہو یہ بھی دونوں را باریک ہونگی جیسے مَجْرِىٰهَا اور حِجْرٌ۔

ف (۱) جس را پر روم کے ساتھ وقف کیا جائے یا را مشدّدہ ہو، یہ دونوں را اپنی حرکت کے اعتبار سے پڑھی جائیں گی یعنی زبر و پیش میں موٹی، زیر میں باریک (۲) وقف بالروم کے معنی وقف کے بیان میں انشاء اللہ معلوم ہو جائیں گے

(۳) واوِ مدّ جب کہ اس سے پہلے کوئی حرف مفخّم آ جائے جیسے مَسْطُوْرًا اور مَرْصُوْصٌ وغیرہ یہ واو بھی موٹا پڑھا جائے گا لیکن یہ قیاس ہے اس کی صراحت تجوید کی کسی معتبر کتاب میں نہیں،[3]

(۴) الف ہے جبکہ اس سے پہلے کوئی ایسا حرف ہو جو موٹا پڑھا جاتا ہو، خواہ وہ حروف مستعلیہ میں سے کوئی ہو یا را مفخّمہ ہو، یا لفظ اللہ کا لام ہو۔

---

[1] اور ایسی را پر وقف بالاسکان یا بالاشمام کیا جائے [2] اسی طرح اَلْقِطْرِ (سباع) مِصْرَ (چار جگہ یونس ع یوسف ع، یوسف ع، زخرف ع) وقفاً پُر اور باریک دونوں طرح پڑھنا صحیح ہے لیکن اوّل میں باریک بہتر ہے اور دوسرے لفظ میں پُر بہتر ہے اور فَاَسْرِ (ہود۔ حجر۔ دخان) اَنْ اَسْرِ (طٰہٰ وشعراء) اور نُذُرِ (قمر) اور اِذَا یَسْرِ (فجر) میں وقفاً باریک و پُر دونوں جائز ہیں۔ [3] لیکن علامہ مرعشی کی رائے یہ ہے کہ واو اور یا مدہ دونوں باریک ہی ہیں فرماتے ہیں:

الالفُ المدیۃُ تابعۃٌ لِما قبلَھا فاِذا وقعت بَعْدَ الحرفِ المفخمِ تَفَخَّمُ وَاِذَا وَقَعَتْ بَعْدَ الحرفِ المرقّقِ تُرَقَّقُ لان الالفَ لَیْسَ فِیہِ عملُ عُضْوٍ اَصْلاً حتی یوصفَ بالتفخیمِ اوالترقیقِ۔ قال المرعشی فی رسالتہٖ ولما کان فی الیاءِ والواوِ المدیین عمل عضوٍ فی الجملۃِ کما سبق لم یکونا تابعین لما قبلھا بل مرققان فی کلِّ حالٍ کذا یفھم من اطلاقاتھم (نہایۃ القول المفید صفحہ ۸۹)

الف مدہ اپنے ماقبل کے تابع ہوتا ہے اگر حرف مفخّم کے بعد واقع ہو تو مفخّم پڑھا جائے گا اور اگر حرف مرقق کے بعد ہو تو مرقق ہوگا، کیونکہ الف کی ادا میں کسی عضو کا بالکل کوئی دخل نہیں ہوتا کہ اس کو فی نفسہٖ تفخیم یا ترقیق سے متصف کیا جائے علامہ مرعشی نے فرمایا ہے کہ چونکہ مدہ کے حروف واو اور یاء میں فی الجملہ عضو کا عمل باقی رہتا ہے اسلئے وہ اپنے ماقبل کے تابع نہ ہونگے بلکہ بہرحال باریک پڑھے جائیں گے، چنانچہ علماء تجوید کے اطلاقات سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے۔

واضح ہو کہ مذکورہ عبارت کے حاشیہ میں واو مدہ کو جو مفخّم کہا گیا ہے اور اسپر دلیل بیان کی گئی ہے وہ وزنی نہیں، دوسری بات یہ کہ ضمہ خواہ کسی بھی حرف پر ہو باریک ہی پڑھا جاتا ہے جیسا کہ فوائد مکیہ میں ہے "ضمہ میں انضمام شفتین کیساتھ ضمہ کی آواز باریک نکلے" جب ضمہ باریک ہے تو اسکے بعد واو مدہ بدرجہ اولیٰ باریک ہونا چاہیے اس مقام پر تعلیقات مالکیہ حاشیہ فوائد مکیہ کا مطالعہ بھی مناسب ہے

ف ۔ جو حروف پُر ہوتے ہیں ان میں آپس میں فرق ہوتا ہے چنانچہ سب سے زیادہ پر لفظ اللہ کا لام[1] ہے پھر طا پھر صاد پھر ضاد پھر ظا پھر قاف، پھر غین اور خا، پھر را[2] ہے، یہی فرق ہے اس الف میں پُر پڑھنے کے لحاظ سے ہے جو ان کے بعد ہو گا، باقی حروف ہر حالت میں باریک رہیں گے،

تنبیہ۔ حروف مستعلیہ میں تفخیم اتنی نہ کی جائے کہ واؤ کی بو یا صاف واؤ کی زیادتی معلوم ہو، کیونکہ یہ اہل فن کے طریقہ کے خلاف ہے، غرضیکہ تفخیم میں ہونٹوں کا بالکل دخل نہیں عام طور سے لوگ تفخیم میں غلطی کرتے ہیں، اسی طرح حروف مستفلہ میں زیادہ باریکی نہ کریں[3]، کیونکہ امالۂ صغریٰ پیدا ہونے کا احتمال ہے۔

دوسری فصل۔ اجتماع مثلین و متجانسین و متقاربین اور ان کے ادغام کے بیان میں۔

جاننا چاہیے کہ ایک قسم کے دو حرفوں کو مثلین، اور ایک مخرج کے دو حرفوں کو متجانسین اور قریب المخرج دو حرفوں کو متقاربین کہتے ہیں، پس اگر ایک قسم کے دو حرف پاس پاس آئیں تو اسکو اجتماع مثلین کہتے ہیں، خواہ ایک کلمہ میں ہوں، جیسے ءَاَنْذَرْتَهُمْ میں دو ہمزہ، اور جِبَاهُهُمْ میں دو ہا، خواہ دو کلموں میں ہوں جیسے هٰؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ میں دو ہمزہ، اور اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ میں دو عین، اور اگر ایک مخرج کے دو حرف پاس پاس جمع ہوں تو اس کو اجتماع متجانسین کہتے ہیں جیسے زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ میں حا اور عین ایک مخرج کے ہیں، اور اگر قریب المخرج دو حرف پاس پاس

---

[1] یہاں دو لام ہیں لام تعریف لام اسم الجلالہ دونوں کو پُر پڑھنا چاہیے، لام تعریف ادغام کی وجہ سے اور لام اسم الجلالہ صفت عارضہ تفخیم کیوجہ سے، [2] تفخیم کے اصولی طور پر تین مراتب ہیں اعلیٰ، اوسط، ادنیٰ۔ اعلیٰ مرتبہ لام مفخمہ کا ہے، اوسط حروف مطبقہ کا، اور ادنیٰ بقیہ حروف کا۔ اور مطبقہ میں باہمی ترتیب یہ ہے کہ اعلیٰ مرتبہ طا کا ہے، اوسط صاد، ضاد کا اور ادنیٰ ظا کا۔ (نہایت القول المفید ص۹۷)

[3] مطلب یہ ہے کہ باریکی کو اسطرح ادا نہیں کرنا چاہیے کہ انکے زبر یا اس کے بعد آنے والے الف کو زیر کی طرف یا یا کی طرف جھکا دیا جائے اور امالہ سا کر کے پڑھا جائے ورنہ حروف مستفلہ کا حسن یہی ہے کہ انکو خوب باریک پڑھا جائے جیسا کہ علامہ جزریؒ فرماتے ہیں، ورقّقن مُسْتَفِلًا مِنْ اَحْرُفٍ یعنی حروف مستفلہ کو خوب باریک پڑھو، یہ یا متحد الصفات ہوں جیسے نون اور میم، کہ مخرج تو دونوں کے بالکل علیحدہ ہیں مگر صفات میں متحد ہیں یا مخرج و صفت دونوں میں قریب ہوں جیسے لام و را۔ واضح ہو کہ متحد الصفات اور مختلف المخرج جیسے دال اور جیم، یا متحد المخرج مختلف الصفات جیسے طا اور تا ان دونوں قسموں کو مرعشی نے متجانسین کا نام دیا ہے (نہایۃ القول المفید ص۹۹)

جمع ہوں تو اسکو اجتماع متقاربین کہتے ہیں جیسے رُسُلُ رَبِّكَ میں لام اور را، قریب المخرج ہیں ،

تنبیہ :۔ ان تینوں صورتوں میں خاص طور پر اس کا اہتمام اور بہت زیادہ خیال رکھنا چاہیئے کہ دونوں حرف پوری صفات کے ساتھ ادا ہوں، علیٰ ہذا لفظ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ اور يَعَضُّ الظَّالِمُ میں بہت ہی اہتمام کی ضرورت ہے کہ دونوں حروف پوری صفات کے ساتھ ایک دوسرے سے ممتاز پڑھے جائیں، چونکہ لوگ اس میں بہت ہی غلطی کرتے ہیں، عام طور سے لوگ اسکا خیال نہیں رکھتے .حضوصاً جہاں دو ہمزہ ہوں وہاں خوب صاف صاف دونوں کو ان کے مخرج سے تحقیق کے ساتھ ادا کر کے پڑھے تاکہ سختی دونوں کی پورے طور پر ادا ہو، سوائے چند الفاظ کے وہ یہ ہیں :۔ لفظ آلذَّكَرَيْنِ ، دو جگہ سورۃ انعام میں ۔ اور لفظ آلْاٰنَ ، دو جگہ سورۃ یونس میں، اور لفظ آللّٰهُ ، دو جگہ پہلا سورۃ یونس میں، دوسرا سورۃ نمل میں ۔ ان کا دوسرا ہمزہ تسہیل[1] اور ابدال کے ساتھ پڑھا جائے گا۔ مگر ابدال اولیٰ ہے تسہیل سے، تسہیل کے معنی ہمزہ اور الف کے درمیان پڑھنا ۔اور ابدال کے معنی ہمزہ کو خالص الف سے بدل کر پڑھنا۔ اور لفظ ءَاَعْجَمِيٌّ جو سورہ حٰمٓ سجدہ میں ہے، اسکا دوسرا ہمزہ الف اور ہمزہ کے درمیان بغیر جھٹکے اور سختی کے پڑھنا چاہیئے اس کو تسہیل کہتے ہیں، سوائے ان الفاظ کے تمام قرآن شریف میں روایت حفص میں اور کہیں تسہیل نہیں ہے لہٰذا اس کے علاوہ ہمزہ کو خوب سختی کے ساتھ ادا کرنا چاہیئے ۔ اور جہاں دو ہمزہ[2] اصلی ایک کلمہ میں اس طرح ہوں، کہ پہلا متحرک ، دوسرا ساکن ، تو ہمزہ ساکن کو پہلے ہمزہ کی حرکت کے موافق بدل کر پڑھنا چاہیے جیسے ءَاْمَنُوْا میں اٰمَنُوْا ۔ اور اِءْمَانً

---

[1] یعنی اصل میں یہ الفاظ اَءَالذَّكَرَيْنِ ، اَءَالْاٰنَ ، اَءَاللّٰهُ تھے ، ان میں پہلا ہمزہ استفہامیہ قطعیہ مفتوحہ ہے اور دوسرا ہمزہ وصلیہ مفتوحہ ہے جسکو قیاس کے مطابق درمیان کلام میں حذف ہونا چاہیے تھا لیکن حذف کرنے میں ہمزہ قطعیہ استفہامیہ پر لام تعریف کے ساتھ آنے والے ہمزہ وصلیہ کا شبہ ہوتا تھا، جس سے معنی بجائے استفہامی ہونے کے خبریہ ہو جاتے تھے اور کلام کا مفہوم ہی بدل جانے کا احتمال تھا اسی لیے خاص طور پر ان چھ مواقع میں ہمزہ وصلیہ کو باوجود درمیان کلام کے حذف نہیں کیا گیا بلکہ تسہیل یا ابدال کیا گیا، بہرحال ہمزہ کی کل چار حالتیں یاد رکھنی چاہییں، حذف[1] جیسے ہمزہ وصلیہ کا درمیان میں ساقط ہونا۔ اسکے مقابلہ میں دوسری حالت اثبات ہے پھر اثبات کی تین حالتیں ہیں تحقیق[2] یعنی ہمزہ کو اسکے مخرج سے صاف پڑھنا ، ابدال[3] جیسے ءَاَمَنَ میں تسہیل[4] یعنی بین الہمزہ والالف پڑھنا [2] اصلی کا مطلب صرفی اصطلاح کیمطابق یہ نہیں کہ فاء عین ولام میں سے کسی کے مقابل ہوں بلکہ یہ ہے کہ ہمزہ قطعیہ کے بعد ہمزہ ساکنہ آئے ،

میں اِیْمَانٌ اور اُؤْتُمِنَ میں اُوْتُمِنَ - اور اگر ہمزہ منفردہ[عہ۵] ساکنہ کلمہ کے شروع میں ہو اور ابتدا ہمزہ وصل کے ساتھ کی جائے تو اس وقت بھی ہمزہ ساکنہ بدلا جائے گا جیسے اِیْتُوْنِیْ اِئْتِ اور اگر ہمزہ وصل سے ابتدا نہ کی جائے ، بلکہ ماقبل کے آخر حرف سے ملا کر پڑھا جائے تو پھر ہمزہ ساکنہ نہ بدلا جائے گا جیسے فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِیْ - اس وقت ہمزہ باقی رکھنا درست نہیں پس ابتدا میں ہمزہ باقی رہتا ہے - اب اگر لام[1] تعریف سے پہلے ہمزہ وصل کے ساتھ ابتدا کی جائے تو ہمزہ مفتوح ہو گا جیسے اَلْحَمْدُ اَلْقَمَرُ وغیرہ - اور اگر کسی اسم کے شروع سے ہمزہ وصل کے ساتھ ابتدا کی جائے تو ہمزہ وصل مکسور ہو گا جیسے اِسْمٌ اِبْنٌ وغیرہ - اور اگر کسی فعل کے شروع سے ہمزہ وصل کیساتھ ابتدا کی جائے تو فعل کے تیسرے حرف کا ضمہ اگر اصلی[2] ہے تو ہمزہ بھی مضموم ہو گا - جیسے اُقْتُلُوْا ، اُدْخُلُوْا وغیرہ ، ورنہ مکسور ہو گا جیسے اِذْهَبْ ، اِرْجِعْ وغیرہ ،

عہ۵ یعنی ہمزہ وصلیہ کے بعد ہمزہ ساکنہ ہو تو درمیان کلام میں چونکہ قاعدہ کے مطابق یہ ہمزہ حذف ہوگا ، تو یہ ہمزہ ساکنہ منفرد یعنی اکیلا پڑھا جائے گا ، اس لئے اس میں ابدال نہیں ، کیونکہ ابدال کے لیے دو ہمزوں کا موجود ہونا ضروری ہے البتہ ابتدا میں اس ہمزہ وصلیہ کو بھی پڑھا جائے تو اب حسب قاعدہ مذکورہ بالا ہمزہ متحرکہ کے بعد اس ہمزہ ساکنہ کو بدل کر پڑھیں گے ، تجوید کے طلبا کو اس قاعدہ کے اجرا کی ہمزہ وصلیہ کے ساتھ ہی ضرورت ہوتی ہے ورنہ ہمزہ قطعیہ کے ساتھ تو ابدال کے ساتھ قرآن میں لکھا ہی ہوتا ہے -

[1] اس عبارت کا ماحصل یہ ہے کہ کلمہ کی تین قسمیں ہیں اسم ، فعل ، حرف ، حرف جس میں ہمزہ وصل ہے وہ صرف لام تعریف ہے یہ ہمزہ وصل مفتوح ہوتا ہے باقی تمام حروف میں ہمزہ قطعی ہی ہوتا ہے مثلاً اِنْ ، اَنْ . اَنَّ ، اِلَّا ، اَوْ ، وغیرہ - اسما جن کے شروع میں ہمزہ وصل ہوتا ہے دو طرح کے ہیں اسمائے مصادر جیسے اِنْتِقَام ، اِفْتِرَآءً ، اِبْتِغَآءَ وغیرہ ، اسمائے غیر مصادر ، یہ قرآن میں کل سات ہیں ، اِبْنٌ ، اِبْنَتٌ ، اِمْرَءٌ ، اِمْرَأَةٌ ، اِسْمٌ ، اِثْنَانِ ، اِثْنَتَانِ ، ان تمام اسما میں مصدر ہوں یا غیر مصدر ہمزہ وصل مکسور ہی ہوتا ہے ، فعل میں تیسرے حرف کو دیکھنا چاہیے ، تیسرا حرف مضموم ہو تو مضموم ورنہ مکسور ہوتا ہے ، یاد رکھو کہ باب افعال کے مصدر یا اس سے بنے ہوئے صیغہ کے شروع میں ہمزہ ہو تو وہ قطعی ہو گا اسی طرح فعل کے یا اسم کے شروع میں ہمزہ مفتوح قطعی ہو گا جیسے وَاَعْتَزِلُكُمْ اَسْتَكْبَرْتَ ، اِنَّ اَكْرَمَكُمْ ، اَتْقَاكُمْ وغیرہ

[2] اگر ضمہ اصلی نہ ہو عارضی ہو تو ہمزہ وصل مکسور ہی ہوتا ہے جیسے اِمْشُوْا ، اِتَّقُوْا ، اِیْتُوْا ، اِقْضُوْا کہ اصل اِمْشِیُوْا اِتَّقِیُوْا ، اِیْتِیُوْا اور اِقْضِیُوْا ہیں یا پر ضمہ ثقیل ہونے کی وجہ سے ماقبل کو دیا اور اجتماع ساکنین کی وجہ سے یاء حذف ہو گئی

ادغام[1] کا بیان:- جاننا چاہیے کہ اگر دو حرف ایک طرح کے یعنی مکرر[2] ہوں یا ایک مخرج[3] یا قریب[4] المخرج اس طرح جمع ہوں کہ پہلا ساکن، دوسرا متحرک، چاہے ایک کلمہ میں ہوں یا دو کلموں میں، تو پہلے ساکن کا دوسرے میں ادغام کرنا ضروری ہے، لیکن نون ساکنہ کے ادغام میں دو کلموں[5] کی شرط ہے، اگر نون ساکنہ اور اس کا مدغم فیہ ایک کلمہ میں جمع ہوں تو ادغام[6] نہ ہوگا، ادغام کے معنی یہ ہیں کہ دو حرفوں کو ایک کر دینا یعنی پڑھنے میں ایک حرف مشدّد معلوم ہو، اس کی دو قسمیں ہیں، ایک تام، دوسری ناقص، تام وہ ہے کہ پہلا حرف بالکل دوسرے حرف کی طرح ہو جائے جیسے اِذْظَلَمُوْا کو اِظَّلَمُوْا پڑھیں گے، اور ناقص وہ ہے جس میں پہلے حرف کی کوئی صفت باقی رہے جیسے مَنْ يَّقُوْلُ میں نون بالکل یا، نہیں ہوتا، پہلے حرف کو مدغم دوسرے کو مدغم فیہ کہتے ہیں

---

[1] ادغام کے لغوی معنی ادخال ہیں اور اصطلاح میں دو مماثل یا مجانس یا متقارب حرفوں میں سے پہلے کو دوسرے میں اسطرح ملا کر پڑھنا کہ وہ دونوں ایک حرف مشدّد ہو جائیں اور ایک ہی ساتھ دونوں پڑھے جائیں، اسکو ملانے کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ پہلے حرف (جسکو مدغم کہتے ہیں) کو دوسرے حرف (یعنی مدغم فیہ) کے مخرج سے بدل کر پڑھتے ہیں جیسے وَالشَّمْسِ میں لام کو شین سے اور وَالنّٰزِعٰتِ میں نون سے اور مَنْ يَّقُوْلُ میں نون کو یا سے بدل کر پڑھتے ہیں۔ ادغام کی شرط یہ ہے کہ مدغم ساکن ہو، اسی کو ادغام صغیر بھی کہتے ہیں اور اگر مدغم متحرک ہو تو ادغام کبیر کہلاتا ہے، گو یہ روایت حفص میں بہت کم پایا جاتا ہے یعنی لَا تَاْمَنَّا، نِعِمَّا، مَكَّنِّيْ، اَتَاْمُرُوْنِّيْ اور اَتُحَآجُّوْنِّيْ میں مگر لَا تَاْمَنَّا میں اظہار مع الروم اور ادغام مع الاشمام ہے باقی امثلہ میں حفص کے نزدیک

[2] اسکو ادغام مثلین کہتے ہیں جیسے قَدْ دَّخَلُوْا، فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ، مَنْ نَّشَآءُ وغیرہ

[3] یہ ادغام متجانسین کہلاتا ہے جیسے اِرْكَبْ مَّعَنَا۔ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ وغیرہ

[4] یہ ادغام متقاربین کہلاتا ہے اور اس میں ایسے دو حرفوں کا ادغام ہوتا ہے جو قریب المخرج ہوں جیسے اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ یا متحد الصفات ہوں جیسے نون کا ادغام میم میں مثلاً وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ۔ یا قریب المخرج والصفات ہوں جیسے قُلْ رَّبِّ [5] نون ساکنہ کا مفصل حال اگلی فصل میں آ رہا ہے

[6] لیکن نون کا اپنے مثل میں ہوگا جیسے مِنْ لَّدُنَّا اور لَا تَاْمَنَّا کہ اصل میں مِنْ لَّدُنْ نَا اور تَاْمَنُنَا تھا

[7] مدغم میں قوت کیوجہ ادغام ناقص ہوتا ہے اور یہ صرف حسب ذیل تین صورتوں میں ہے۔

(۱) حرف مستعلیہ کا مستفلہ میں اور یہ صرف ایک لفظ اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ میں ہوا ہے مگر اس میں بھی تام اولیٰ ہے گو ناقص بھی جائز ہے

(۲) حروف مطبقہ کا غیر مطبقہ میں اس کی مثال چار کلمات ہیں بَسَطْتَّ، اَحَطْتُّ، فَرَّطْتُّ، فَرَّطْتُّمْ،

(۳) نون ساکنہ کا ادغام واؤ اور یا میں، اور بقول بعض نون ساکنہ کا میم میں بھی ناقص ہی ہے اور نون کا نون میں تماثل کیوجہ سے ادغام تام ہی ہے، اور غنہ تشدید کیوجہ سے ہوتا ہے،

اب سنو کہ مثلین میں صرف ادغام تام ہوتا ہے جیسے قَدْ دَّخَلُوْا، اِذْ ذَّهَبَ یہ حکم ہر مثلین میں ہے، لیکن اگر پہلا حرف مدّہ ہو اور دوسرا غیر مدّہ تو ادغام نہ ہوگا۔ لہذا قَالُوْا وَمَالَنَا اور فِیْ یَوْمٍ میں قَالُوْا وَّمَالَنَا اور فِیْ یَّوْمٍ ادغام کے ساتھ نہیں پڑھا جائے گا اور متجانسین میں ادغام تام، اور ناقص دونوں ہوتے ہیں۔ چنانچہ دال کا ادغام تار میں جیسے قَدْ تَّبَیَّنَ اور تار کا ادغام دال میں جیسے اَثْقَلَتْ دَّعَوَا، اور ذال کا ادغام ظار میں جیسے اِذْ ظَّلَمُوْا اور تار کا ادغام طار میں جیسے وَقَالَتْ طَّآئِفَۃٌ میں ادغام تام ہوتا ہے، نیز ثار کا ادغام ذال میں جیسے یَلْهَثْ ذّٰلِکَ، لیکن حروف حلقی کا ادغام اپنے ہم جنس میں نہ ہوگا۔ جیسے فَاصْفَحْ عَنْهُمْ بلکہ اپنے مماثل میں ہوگا جیسے مَالِیَہْ هَّلَکَ اور طار کا ادغام تار میں ناقص ہوتا ہے جیسے بَسَطْتَ، اَحَطْتُ، فَرَّطْتُّمْ وغیرہ میں، چونکہ اس میں صفت اطباق طار کی باقی ہے بعض لوگ ان میں بھی ادغام تام کر دیتے ہیں یہ بڑی غلطی ہے اور متقاربین میں بھی ادغام تام اور ناقص دونوں ہوتے ہیں، چنانچہ لام کا ادغام را، میں جیسے قُلْ رَّبِّ، اور نون ساکن و تنوین کا ادغام را، میں جیسے مِنْ رَّبِّهِمْ۔ اور لام میں جیسے اِنْ لَّمْ اور مثال تنوین کی جیسے مِنْ ثَمَرَۃٍ رِّزْقًا اور هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ اور با کا ادغام میم میں، جیسے اِرْکَبْ مَّعَنَا ادغام تام ہوتا ہے نون ساکن اور تنوین کا ادغام یار اور واؤ میں ناقص ہوتا ہے جیسے مَنْ یَّقُوْلُ، مِنْ وَّلِیٍّ، مثال تنوین کی جیسے وَرَعْدٌ وَّبَرْقٌ یَّجْعَلُ، چونکہ اس میں صفت نون کی غنّہ باقی ہے۔ اور میم میں مختلف فیہ، اس لئے کہ بعض کے نزدیک غنّہ نون مدغم کا ہے اور بعض کے نزدیک مدغم فیہ کا۔

اور حروف حلقی کا ادغام اپنے متقارب میں نہ ہوگا جیسے فَسَبِّحْهُ، نیز غیر حلقی میں

لے تاکہ ادغام کیوجہ سے مدّیت فوت نہ ہو، مدّیت ایسی قابل بقا صفت ہے کہ اسکو ایک مستقل نام "تمکین" سے یاد کیا جاتا ہے تمکین کا مطلب ہے، کہ قاری کے لیے ضروری ہے کہ وہ وۃ وّلوْ یا ذّی یادٍ کے درمیان مدّطبعی کو واضح کرکے پڑھے تاکہ ادغام سے بچاؤ ہو جائے۔ نہایۃ القول ص۱۲۵، اظہار کیوجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ حرف مدّہ کا مخرج جوف دہن ہے یعنی مخرج مقدر اور مدغم فیہ کا مخرج محقق ہے گویا دونوں میں باہم ضدّیت کا تقابل ہے، اور ادغام ہوتا ہے کسی مناسبت کیوجہ سے۔ ۲ے بہتر ہوتا کہ اَیْنَمَا یُوَجِّهْهُ یا وَمَنْ یُّکْرِهْهُنَّ جیسی مثال دی جاتی کیونکہ مَالِیَہْ هَّلَکَ میں گو ادغام جائز ہے مگر پہلی ہا کے ہاء سکتہ ہونے کیوجہ سے اسمیں محققین نے اظہار اور اظہار کے ساتھ سکتۂ لطیفہ کو بہتر کہا ہے، علامہ جزری، ابوشامہ اور علامہ دانی سب کی یہی رائے ہے د نہایت القول المفید ص۱۰۱ ۳ے مصنف رحمۃ اللہ نے ادغام متجانسین کے ذیل میں جن چھ حروف کے ادغام کا ذکر کیا ہے بس یہی حروف ہیں جن کا ادغام متجانسین پایا جاتا ہے۔

بھی نہ ہوگا جیسے لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا۔ نیز لام قُلْ اور لام بَلْ کا اور لام هَلْ کا ادغام نون[1] میں نہ ہوگا جیسے قُلْ نَعَمْ، هَلْ نَدُلُّكُمْ، بَلْ نَظُنُّكُمْ اور لفظ اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ میں ادغام ناقص وتام دونوں ہیں، لیکن ادغام تام اولیٰ[2] ہے، اگر صفت استعلا باقی رکھ کر پڑھا تو ناقص ہوگا۔ اور اگر بالکل بدل کر پڑھا تو تام ہوگا اور یہی اولیٰ ہے۔

ف۔ اِرْكَبْ مَّعَنَا۔ يَلْهَثْ ذّٰلِكَ میں اظہار بھی جائز ہے۔ نٓ وَالْقَلَمِ اور يٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ میں اظہار اور ادغام دونوں وجہ ہیں، لیکن اظہار اکثر راجح ہے نُوْنِ يٰسٓ اور نٓ وَالْقَلَمِ کے نون کا ادغام جو ہوتا ہے اس کو خاص طور سے استاذ سے پوچھیں، اکثر لوگ اس کے ادغام میں غلطی کرتے ہیں اور صحیح طور پر ادغام نہیں کرتے،

تیسری فصل نون ساکن اور تنوین کے بیان میں :۔ جاننا چاہیئے کہ نون ساکن وہ ہے جس پر کوئی حرکت نہ ہو اور نون تنوین ایک نون ساکنہ زائدہ جو کلمہ کے آخر لاحق ہوتا[3] ہے، جس کی علامت مروجہ آجکل یہ ہے کہ تنوین کے مواقع میں بجائے ایک حرکت کے دو حرکت لکھ دیتے ہیں جیسے اً، اٍ، اٌ، اسی کو تنوین یا نون تنوین کہتے ہیں مگر پڑھنے میں ان[4] دونوں کی آواز یکساں ہوتی ہے جیسے ہمزہ نون زبر اَن اور ہمزہ دو زبر اً،

ف۔ تنوین ہمیشہ کلمہ کے آخر میں ہوتی ہے ان دونوں کے چار حکم ہیں (۱) اظہار، اظہار کے معنی ظاہر کرکے[5] پڑھنا، یعنی نون کے مخرج میں زبان لگا کر بغیر دیر لگائے ادا کرنا۔ اظہار اس وقت ہوتا ہے جبکہ نون یا تنوین کے بعد کوئی حرف حلقی آجائے چاہے

---

[1] ادغام نہ ہونے کی ان کلمات ہی میں تخصیص نہیں روایت حفص میں سوائے لام تعریف کے کہ وہ اپنے مدخول نون میں مدغم ہوتا ہے جیسے اَلنَّار اور کہیں بھی لام کا نون میں ادغام نہیں جیسے جَعَلْنَا، اَنْزَلْنَا، قُلْنَا، وغیرہ اور اسکی وجہ یہ ہے کہ لام میں نون کے مقابلہ میں ایک گونہ استفال ہے بخلاف را کے کہ اسکے مخرج کیطرف لام انحراف و میلان رکھتا ہے لہذا اسمیں مدغم ہوتا ہے جیسے قُلْ رَّبِّ، بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ۔ [2] کیونکہ قاف کاف کے مقابلہ میں صفت استعلا کیوجہ سے حرف قوی ہے لیکن اقوی نہیں اور ادغام میں اصل تام ہی ہے بخلاف طا کے کہ وہ تا کے مقابلہ میں اقوی ہے۔ [3] نون ساکن اور تنوین میں تین وجہ سے فرق ہے (۱) نون ساکنہ مرسوم ہوتا ہے نون تنوین مرسوم نہیں ہوتا (۲) نون ساکنہ کلمہ کے درمیان اور آخر میں ہر جگہ آسکتا ہے، نون تنوین صرف آخر میں لاحق ہوتا ہے (۳) نون ساکنہ وصل و وقف ہر دو حالت میں پڑھا جاتا ہے وقف میں اگر وہ زبر کی تنوین ہو تو الف بدلتے ہیں ورنہ حذف کرتے ہیں۔ [4] یعنی نون ساکنہ اور تنوین کی حالت وصل میں۔ [5] کوئی بھی حرف ہو اصل اسمیں اظہار ہی ہے یعنی حرف کو ٹھیک اسی آواز میں ادا کرنا جو اسکے مخرج و صفات کا تقاضا ہو اسی لیے نون متحرک نون مشدد، اور نون متوذ جیسے يَعْلَمُوْنَ سب میں اظہار ہی ہوگا

ایک کلمہ میں ہو جیسے اَنْعَمْتَ یا دو کلموں میں جیسے مَنْ عَمِلَ .سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ، اسکو اظہار حلقی[1] اور حقیقی کہتے ہیں۔

(۲) ادغام، یہ اس وقت ہوتا ہے جبکہ نون ساکن ایک کلمہ کے آخر میں ہو، اور تنوین تو آخر کلمہ میں ہوتی ہی ہے، دوسرے کلمہ کے شروع میں حروف یَرْمُلُوْنَ میں سے کوئی حرف آجاتے، تو یار، واؤ، میم، نون میں ادغام غنہ کے ساتھ اور لام اور رار میں ادغام بلاغنہ ہوتا ہے مثالیں[2] یہ ہیں مَنْ یَّقُوْلُ، مِنْ وَّلِیٍّ، مِنْ مَّنٍّ، مِنْ نَّبِیٍّ، مِنْ لَّبَنٍ، مِنْ رَّ

تنبیہ:۔ دُنْیَا، صِنْوَانٌ، قِنْوَانٌ، بُنْیَانٌ میں ادغام نہ ہو گا، کیونکہ نون و یار نون و واؤ ایک ہی کلمہ میں ہیں، اسلئے اظہار ہو گا، اسکو اظہار مطلق کہتے ہیں

(۳) اقلاب:۔ اقلاب کے معنی بدلنے کے ہیں، نون ساکن یا تنوین کے بعد اگر بار آجائے خواہ ایک کلمہ میں ہو یا دو کلموں میں، تو نون و تنوین کو میم سے بدل کر غنہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے جیسے مِنْۢ بَعْدُ. سَمِیْعٌۢ[3] بَصِیْرٌ ۔

(۴) اخفار، اخفار کے معنی چھپانے کے ہیں اگر نون ساکن یا تنوین کے بعد حروف حلقی اور حروف یَرْمُلُوْنَ اور بار کے علاوہ باقی پندرہ حرفوں میں سے کوئی حرف آجائے خواہ ایک کلمہ میں ہو یا دو کلموں میں تو اخفا ہو گا، یعنی اس نون و تنوین کو نون کے مخرج کے قریب[4] زبان لگا کر فقط خیشوم سے غنہ کے ساتھ پڑھنا چاہیے جیسے مِنْ شَرٍّ، شَیْءٍ شَهِیْدٌ، اَنْفُسَهُمْ، اسکو اخفاء حقیقی کہتے ہیں، اخفار کے پندرہ حروف یہ ہیں[5]:۔ ت، ث، ج، د، ذ، ز، س، ش، ص، ض، ط، ظ، ف، ق، ک۔

---

[1] یعنی بطور اصطلاح نون ساکنہ و تنوین کی اس حالت کا نام اظہار حلقی رکھا گیا، کیونکہ حروف حلقی اس اظہار کا سبب بنے ہیں اور اظہار حقیقی کا نام اظہار مطلق کے مقابلہ میں ہے، جو لفظ دُنیا وغیرہ میں ہے بیان آگے آتا ہے، نیز اظہار شفوی میم کی ایک خاص حالت کا نام آگے آرہا ہے وہ باعتبار محل کے ہے۔ یعنی اس اظہار کا محل شفتیں ہیں۔ [2] ادغام کی تین قسمیں ہیں، مثلین، متجانسین اور متقاربین، جو آپ اوپر پڑھ چکے ہیں وہ یہاں بھی غور کر کے ہر ادغام میں متعین کیجئے۔

[3] اور ایک کلمہ میں اقلاب کی مثال جیسے اَنْۢبِئُوْنِیْ، اَنْۢبَآءُ. اَنْۢبِیَآءُ، یاد رہے کہ یہ اقلاب اور اقلاب کے بعد میم میں اخفا، غنہ باجماع واجب ہے۔

[4] یعنی نوک زبان تالو پر نہایت ضعف کیسا تھ لگے، کیونکہ اس حالت میں نون کی آواز کا اکثر حصہ خیشوم سے ادا ہوتا ہے اور اصلی مخرج سے تعلق برائے نام ہی رہ جاتا ہے [5] ہر حرف کی تین تین مثالیں ہو سکتی ہیں، یعنی نون ساکن جس کے بعد حروف اخفا آئیں یا ایک کلمہ میں ہوں گے یا دو کلموں میں یہ تیس ہوئیں، اور پندرہ مثالیں نون تنوین کی، تمام قرآن میں نون ساکنہ کے بعد ایک کلمہ میں صاد حرف منضود میں ہے،

تنبیہ :۔ نون ساکن یا تنوین کے بعد اگر فا آجائے تو بعض لوگ اسطرح پڑھتے ہیں جیسے ادغام ناقص کیا[1] جاتا ہے، یہ درست نہیں جسطرح مِنْ شَرِّ کو پڑھتے ہیں، وہی حالت نون ساکن کی اَنْفُسَهُمْ میں ہونی چاہیے آج کل بہت سے پڑھے لکھے لوگ بھی اس کا خیال اور اہتمام نہیں کرتے، حالانکہ تجوید کی معتبر کتابوں میں اس کا وجود نہیں۔ صرف چار حکم منقول ہیں جو اوپر لکھے گئے ہیں ۔

چوتھی فصل ، میم ساکن کے بیان میں :۔ میم ساکن کے تین حکم ہیں ،

(۱) اخفار ، اگر میم ساکن کے بعد بار آجائے تو وہاں اخفا[2] ہوگا جیسے وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ ، اس کو اخفا شفوی کہتے ہیں ، اس میں اظہار بھی جائز ہے ۔ مگر اخفا اولیٰ اور مختار ہے ، بعض لوگ اظہار ہی کو جائز سمجھتے ہیں یہ ان کی غلطی ہے ،

(۲) ادغام ، اگر میم ساکن کے بعد دوسرا میم آجائے تو ادغام ہوگا جیسے وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ ، اسکو ادغام مثلین[3] کہتے ہیں جیسا کہ بیان ادغام مثلین میں گذرا ،

(۳) اظہار ۔ اگر میم ساکن کے بعد علاوہ بار اور میم کے دوسرا حرف ہو تو اظہار ہوگا ۔ اس کو اظہار شفوی کہتے ہیں ،

تنبیہ :۔ اگر میم ساکن کے بعد واؤ یا فار آجاتی ہے تو بعضے ناواقف اخفا[4] شفوی کرتے ہیں ، اور بعضے میم ساکن کو تھوڑی سی حرکت دے کر پڑھتے ہیں ، یہ دونوں طریقے بالکل غلط ہیں اور غلط پڑھنے والوں کی ایجاد ہے ۔ قرارت کی معتبر کتب میں اسکی کوئی اصل نہیں ، لہذا اس سے بچنا ضروری ہے ۔

---

[1] یعنی نون کو فا کے مخرج سے غنہ کے ساتھ ادا کرتے ہیں ، جو ادغام ناقص کی سی صورت ہوجاتی ہے ،

[2] اور اخفا کرنے کا طریقہ یہ ہوگا کہ ہونٹوں کے خشکی کے حصہ کو نرمی سے بند کرکے میم ادا کریں ، کیونکہ اخفار کے معنی نرم پڑھنے کے ہی ہیں اس صورت میں میم کا اکثر حصہ اصلی مخرج سے نہیں بلکہ خیشوم سے ادا ہوگا ، اسی لئے اس حالت میں اسکو حرف غنہ کہتے ہیں ، اور یہی صورت اقلاب میں میم منقلبہ کی ادائیگی میں ہوگی

[3] اور اس حالت میں اسکا حکم میم مشددہ کا ہے ، یعنی ایک الف کے برابر غنہ کرکے میم کو ہونٹوں کے خشک حصہ سے ادا کریں گے ، اور اس کی صفت غنہ خیشوم سے ادا ہوگی ،

[4] واؤ اور فار بھی چونکہ شفوی ہیں ، تو ان کو بھی بار پر قیاس کرکے بار کی طرح بعض ناواقفوں نے اخفا سے پڑھا اس غلطی پر تنبیہ کی گئی تو میم میں قلقلہ شروع کردیا گیا ، حالانکہ یہ بھی غلط ہے

ف ۔ جب نون یا میم مشدد ہوں تو اس وقت ایک الف کی مقدار دیر کر کے غنہ کرنا واجب ہے ۔ اسکو حرف[1] غنہ کہتے ہیں جیسے اِنَّ ۔ ثُمَّ ۔ الف کی مقدار دریافت کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ کھلی ہوئی انگلی کو متوسط طریقہ پر نہ بہت جلد ہی نہ بہت دیر میں بند کر لے یا بند کو کھول لے ۔ جتنی دیر اس میں لگتی ہے ۔ یہ مقدار الف کی کہلاتی ہے ۔ لیکن یہ طریقہ محض ایک اندازہ ہے ، اور اصل مدار استاد مشاق کے سننے[2] پر ہے ۔

پانچویں فصل ۔ لام تعریف کے بیان میں ۔ اگر لام تعریف ان چودہ حروف میں سے کسی ایک پر داخل ہو تو اظہار ہو گا ، جیسے اَلْحَمْدُ وہ حروف یہ ہیں ، اِبْغِ حَجَّكَ وَخَفْ عَقِيمَهُ ۔ اس لام کو لام قمریہ ، اور ان حروف کو حروف قمریہ کہتے ہیں ، اور اگر ان چودہ کے علاوہ بقیہ چودہ حروف میں سے کسی پر داخل ہو تو ادغام[3] ہو گا ، یعنی لام وہی حرف بن جائے گا جیسے اَلتَّابُوْتُ میں لام تا ر ہو گیا ، اس لام کو لام شمسیہ اور ان حروف کو حروف شمسیہ کہتے ہیں

تنبیہ ۔ لفظ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ ، جو سورہ صافات میں ہے ، اس لام کا ادغام تا میں نہیں کیونکہ یہ لام تعریف کا نہیں[4] بلکہ اصل ہے ، بعضے لوگ اس میں بھی ادغام کر دیتے ہیں یہ بالکل غلط ہے ۔

---

[1] مگر حرف غنہ کا نام مشدد ہونے کے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ نون و میم ہر اس حالت میں حروف غنہ کہلائیں گے جس میں ایک الف کے برابر غنہ کرنا ضروری ہو ، جیساکہ اوپر نون و میم بحالت اخفاء اور بحالت ادغام بیان ہو چکے ہیں

[2] رفتار کے لحاظ سے تلاوت کے تین مراتب ہیں ، ترتیل ، تدویر ، حدر ، ترتیل خوب ٹھہرا کر پڑھنے کو ، حدر بہ تیز پڑھنے کو ، اور تدویر درمیانی رفتار سے پڑھنے کو کہتے ہیں ، ان تینوں حالتوں میں مقدار الف یکساں نہیں بلکہ فرق مراتب کے ساتھ ہوتی ہے اور یہ فرق مراتب استاذ کے سامنے کافی زمانہ مشق کرنے اور اس سے سننے سے سمجھ میں آسکتا ہے اور بتدریج طالب علم میں ایک صحیح ذوق پیدا ہو جاتا ہے ، مصنف رح نے جو انگلی کھولنے یا بند کرنے کی رفتار کے ساتھ اندازہ کرایا ہے ، یہ ترتیل مقدار ہے ۔

[3] کثرت وقوع کی وجہ سے لام کے مماثل ، مجانس یا متقارب جس قدر بھی حروف تھے ان میں ادغام ہو گیا

[4] باب افتعال التقام سے فعل ماضی ہے اور یاد رہے کہ لام تعریف ہمیشہ اسماء کے شروع میں آتا ہے جیسا کہ نون تنوین ہمیشہ اسماء کے آخر میں آتا ہے ۔

چھٹا باب مد کے بیان میں

پہلی فصل۔ مد کی تعریف اور اسکے اقسام کے بیان میں:۔ جاننا چاہیے کہ مد کے معنی درازلے کرنے اور کھینچنے کے ہیں، حروف مدہ تین ہیں، الف، واؤ، یاء الف ہمیشہ ساکن ہوتا ہے، اور اس سے پہلے حرف پر ہمیشہ زبر ہوتا ہے، اسی واسطے یہ ہمیشہ مدہ ہی ہوتا ہے جیسے قَالَ، واؤ جبکہ ساکن ہو اور اس سے پہلے پیش ہو، جیسے قُوْلُوْا۔ اور یاء جبکہ ساکن ہو اور اس سے پہلے زیر ہو جیسے قِيْلَ۔ مد کی دو قسمیں ہیں، ایک مد اصلی، دوسرا مد فرعی، مد اصلی وہ مد ہے کہ جسکے بعد نہ ہمزہ ہو نہ سکون ہو، اور اسکا مد ہونا کسی سبب پر موقوف نہ ہو، بلکہ اسکی ذات میں درازی پائی جاتی ہو، جیسے مثال مذکور میں مد اصلی کی مقدار ایک الف کے برابر ہے، اگر اسقدر کھینچ کر نہ پڑھیں، تو یہ حروف مدہ پورے طور پر ادا نہ ہوں گے بلکہ صرف حرکت ہی حرکت رہ جائیگی جیسے وَلَدْ یُوْلَدْ میں وَلَدْ یُلَدْ دوسرا مد فرعی۔ اگر حرف مدہ کے بعد سکون یا ہمزہ آجائے تو اسکو مد فرعی کہتے ہیں۔ پس اگر حرف مدہ اور ہمزہ ایک کلمہ میں جمع ہوں جیسے جَآءَ تو اسکو مد متصل اور مد واجب کہتے ہیں، اور اگر حرف مدہ ایک کلمہ کے آخر میں اور ہمزہ دوسرے کلمہ کے شروع میں ہو جیسے قَالُوْٓا اٰمَنَّا تو اس کو مد منفصل اور جائز کہتے ہیں،

ف۔ مد متصل اور منفصل میں توسط ہوتا ہے، یعنی دو الف کے برابر کھینچا جاتا ہے، اور تین الف کے برابر کھینچنا بھی جائز ہے،

تنبیہ:۔ یہ مقدار مد اصلی کے علاوہ ہے، یعنی ایک الف مد اصلی کی مقدار، اور دو دیا

لے اور اصطلاح میں کہتے ہیں "حروف مد میں سے کسی حرف پر آواز کو دراز کرنا" اور حروف لین پر جو بعض صورتوں میں مد ہوتا ہے، وہ حروف مدہ کے ساتھ مشابہت کیوجہ سے ہوتا ہے۔

ع مد متصل اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں سبب مد یعنی ہمزہ ایک ہی کلمہ میں ہونے کی وجہ سے حرف مد کے ساتھ متصل ہوتا ہے جیسے جَآءَ، قُرُوْٓءٍ، اَلنَّبِیٓءُ۔ اور مد واجب اس لئے کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مبارک سے آجتک تمام قراء اس مد پر متفق ہوئے ہیں، امام فن علامہ جزری رحمہ فرماتے ہیں کہ میں نے باوجود تتبع کے متصل میں قصر کسی بھی قرأت صحیحہ یا شاذہ میں نہیں پایا بلکہ روایت صحیحہ میں عبداللہ بن مسعودؓ سے اس کے مد ہونے پر نص ملتی ہے طبرانی ہے سبب مد کے دوسرے کلمہ میں ہونے کیوجہ سے منفصل اور قراء میں اسکے مد فرعی ہونے نہ ہونے میں اختلاف کیوجہ سے اسکو مد

تین الف مد فرعی کی مقدار ملا کر کل تین الف یا چار الف[۱] تک کھینچنا چاہیئے۔

ف۔ مد منفصل میں قصر[۲] بھی جائز ہے یعنی فقط ایک الف مد اصلی کے برابر کھینچنا لیکن بہتر یہ ہے کہ جب کئی مد منفصل جمع ہوں تو سب میں قصر کرے یا توسط، اگر بعض میں قصر اور بعض میں توسط کیا تو یہ بھی جائز ہے مگر خلاف[۳] اولی ہے، اگر حرف مد کے بعد سکون لازمی[۴] کلمہ میں واقع ہو، یعنی وقف کرنے کیوجہ سے سکون نہ ہو جیسے آلْـٰٔنَ[۵] تو اسکو مد لازم کلمی مخفف کہتے ہیں اور اگر حرف مد کے بعد سکون[۶] حرف میں واقع ہو تو اسکو مد لازم حرفی مخفف کہتے ہیں، جیسے قاف، نون، جس کی وضاحت یہ ہے کہ قٓ[۷] پڑھنے میں قاف کیطرح پڑھا جاتا ہے، الف سے پہلے زبر ہے، اور اسکے بعد فا ساکن ہے، اور وہ[۸] حرف ہے خوب سمجھ لو، اگر حرف مد کے بعد تشدید کلمہ میں ہو جیسے وَلَا الضَّآلِّيْنَ تو مد لازم کلمی مثقل کہتے ہیں، اور اگر حرف مد کے بعد تشدید حرف میں ہو جیسے الٓمّٓ[۹] تو اسکو مد لازم حرفی مثقل کہتے ہیں، یہ چار قسمیں مد لازم کی ہوگئیں،

ف۔ ان میں طول ہے، یعنی تین الف کی مقدار مد کرنا چاہیے، اس سے کم جائز نہیں

---

[۱] جمہور مشائخ کے یہاں امام عاصم کے لیے مد متصل و منفصل کی مقدار مع مد اصلی کے چار الف ہے اور بغیر مد اصلی کے تین الف، اور صقلی کے یہاں بغیر مد اصلی کے دو الف اور مع مد اصلی تین الف ہے اور جمہور عراقیین کے یہاں ایک تیسرا قول ملتا ہے جس کو مصنف نے ذکر نہیں کیا کہ بغیر مد اصلی کے ڈھائی الف اور مع مد اصلی کے ساڑھے تین الف، علامہ جعبری نے اسی کو اعدل وانسب قرار دیا ہے، (ہذہ خلاصۃ ما قالہ فی اقوال المصنفین رح) [۲] بطریق علامہ جزری حفص کے لیے مد و قصر میں خلف ہے اور بطریق علامہ شاطبی صرف مد ہے [۳] کیونکہ یہ عیب ہے اور اس کا نام تلفیق ہے یعنی ایک جگہ مد کرنا اور دوسری جگہ قصر کرنا، محققین نے اس سے سختی سے منع کیا ہے، (دیکھو منح الفکریہ ص۵۶ و نہایۃ القول المفید ص۱۲۷) [۴] یہ سکون لازمی کی تشریح ہے، یعنی وہ سکون جسکو وقف وصل ہر حال میں پڑھنا لازمی ہو، [۵] روایت حفص میں مد لازم کلمی مخفف کی صرف یہی ایک مثال ہے۔ اور سورۂ یونس میں اسکا دو جگہ وقوع ہے،

[۶] یعنی حروف مقطعات میں سے کسی حرف میں، [۷] یعنی وہ قاف۔ حروف مقطعات میں سے ایک حرف ہے۔ [۸] کہ اصل میں الف لام میم تھا، آخر لام کا اول میم میں تماثل کیوجہ سے ادغام ہوا تو میم مشدد ہوگئی، کیونکہ ادغام کو تشدید لازم ہے لہذا لام کے الف میں مد لازم حرفی مثقل اور میم کی یا میں مد لازم حرفی مخفف ہے اسی طرح طٰسٓمّٓ کہ اصل میں طا سین میم تھا، بقاعدہ یرملون۔ نون کا میم میں ادغام ہوا اور ادغام کیوجہ سے میم اول مشدد ہوگئی، لہذا سین کی یا میں مد لازم حرفی مثقل اور میم کی یا میں مد لازم حرفی مخفف ہے۔

حروف مقطعات میں چودہ حرف آئے ہیں جنکا مجموعہ نَقَصَ عَسَلُكُمْ حَيٌّ طَاهِرٌ ہے یہ حروف چار طرح کے ہیں، الف ہے جس میں کوئی محل مد نہیں، عین اسمیں محل مد لین ہے جسکو مد لازم لین کہتے ہیں حَیٌّ طُهْرٌ پانچ حروف میں محل مد تو ہے مگر سبب مد نہیں، لہذا مد اصلی ہوگا، باقی حروف میں مد لازم حرفی ہے۔

البتہ چار الف کی مقدار بھی جائز ہے، یہ مقدار مد اصلی کے علاوہ ہے، لہٰذا کم سے کم چار الف اور زائد سے زائد پانچ الف مد کرنا چاہیے، مگر سورہ آل عمران کے الٓمٓ کے میم کو اگر لفظ اَللّٰہُ سے ملا کر پڑھیں تو میم کو زبر[1] دے کر لفظ اَللّٰہُ کے لام سے ملا دیں گے اور ہمزہ گر جائے گا اس صورت میں مد کرنا اور نہ کرنا دونوں جائز ہیں[2]، اگر حرف مد کے بعد سکون عارضی ہو یعنی وقف کیوجہ سے ہو جیسے نَسْتَعِیْنُ ٥ اسکو مد عارض وقفی کہتے ہیں، اور اگر حرف لین کے بعد سکون عارضی ہو جیسے وَالصَّیْف ٥من خوف ٥ مد عارض لین کہتے ہیں۔ ان دونوں میں طول، توسط، قصر تینوں جائز ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ مد عارض وقفی میں طول اولیٰ ہے پھر توسط پھر قصر، اور مد عارض لین میں قصر اولیٰ ہے پھر توسط پھر طول، اور اگر حرف لین کے بعد سکون لازمی ہو اس کو مد لین لازمی کہتے ہیں جیسے عَیْن، سورۂ مریم اور سورۂ شوریٰ کے شروع میں تو اس میں قصر نہایت ضعیف ہے توسط و طول ہو گا اور طول اولیٰ ہے،

دوسری فصل - اجتماع ساکنین کے بیان میں۔ جاننا چاہیے کہ جب دو ساکن ایک کلمہ میں جمع ہوں، اور پہلا ساکن حرف مدہ ہو تو اس حرف کو باقی رکھ کر خوب کھینچکر پڑھتے ہیں جیسے اٰلْـٰٔنَ، دَآبَّۃٌ اور اس کو اجتماع ساکنین علیٰ حدہ کہتے ہیں اور اگر دو ساکن دو کلموں میں جمع ہوں، اسطرح کہ پہلا ساکن حرف مدہ کلمہ کے اخیر میں اور دوسرا ساکن کلمہ کے شروع میں ہو تو اس حرف مد کو گرا کر بلا کھینچے پڑھیں گے جیسے وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰہِ، قَالُوا الْئٰنَ، فِی الْاَرْضِ، اور اس کو اجتماع ساکنین علیٰ غیر حدہ[3] کہتے ہیں، اس میں حرف مد کو باقی رکھ کر پڑھنا جائز نہیں،

تنبیہ:۔ لفظ ذَاقَا الشَّجَرَۃَ، وَاسْتَبَقَا الْبَابَ، دَعَوَا اللّٰہَ، وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰہِ، ان چار لفظوں میں بعض لوگ یہ خیال کرتے ہوئے کہ یہ الف تثنیہ کا ہے، اس کو باقی رکھ کر پورا مد کر کے مثل مد لازم کے پڑھتے ہیں، اور بعض لوگ کسی قدر فتحہ کو کھڑا کر کے

---

[1] حالت وصل میں میم پر جو زبر ہے یہ لفظ اللّٰہ کے ہمزہ کا نقل کر کے دیا گیا ہے اسکو اصطلاح میں نقل حرکت کہتے ہیں (کذا حققہ البیضاوی) ہمارے خیال میں وجہ یہ ہے کہ توالی کسرات سے بچنے کیلئے میم کو فتحہ دیا گیا ہے کیونکہ میم ساکن سے پہلے یاء مدہ ہے جو بجائے دو کسروں کے ہے اور یاء سے پہلے بھی میم مکسور ہے (اظہار احمد) [2] یعنی طول یا قصر دو وجہ صحیح ہیں اور توسط نہایت ضعیف ہے (ملا علی قاری) [3] ایک کلمہ میں اجتماع ساکنین مطلقاً جائز ہے خواہ پہلا ساکن حرف مدہ ہو یا غیر حرف مد البتہ حرف مد وصل و وقف دونوں حالتوں میں آتا ہے جیسے اٰلْـٰٔنَ اور مَا فِی الصُّدُوْرِ ٥ اور غیر حرف مد صرف وقف میں ہوتا ہے جیسے قَدْرٌ ٥ عَشْرٌ ٥

پڑھتے ہیں، تاکہ اشارہ ہو جائے الف تثنیہ کی طرف۔ ایسا کرنا قاعدہ کلیہ اور جمہور قراء کے خلاف ہے یہ صحیح نہیں لہذا اس سے بچنا ضروری ہے، جزری اور شاطبیہ وغیرہ تجوید کی معتبر کتابوں میں ایسا ہی لکھا ہے،

اگر دو حرف ساکن ہوں اور پہلا حرف مدہ نہ ہو تو اس پہلے ساکن کو کسرہ دے کر پڑھیں گے جیسے اَمِ ارْتَابُوْا۔ مَنِ ارْتَضٰی، اصل میں اَمْ اِرْتَابُوْا، مَنْ اِرْتَضٰی تھا اس قاعدہ میں تنوین بھی داخل ہے جیسے اَلِیْمَانِ الَّذِیْ کہ اصل میں اَلِیْمًا اَلَّذِیْ تھا، لیکن اگر ان دو ساکنوں میں پہلا ساکن میم جمع ہو تو بجائے کسرہ کے میم کو ضمہ[1] دے کر پڑھیں گے، جیسے عَلَیْهِمُ الْقِتَالُ۔ اگر پہلا ساکن مِنْ حرف جر ہے تو فتحہ[2] دیتے ہیں جیسے مِنَ الَّذِیْنَ ایسا ہی الٓمّٓ اللّٰهُ میں بحالت وصل بجائے کسرہ کے فتحہ دے کر پڑھیں گے۔

ساتواں باب وقف کے بیان میں

پہلی فصل وقف کی تعریف اور اس کی صورتوں میں

جاننا چاہیے کہ اخیر کلمہ پر وقف کرنے کی تین صورتیں ہیں، پہلی صورت وقف بالاسکان یعنی کلمہ کے آخر حرف غیر موصول[3] پر سانس توڑ کر ٹھہرنا، دوسری صورت وقف بالاشمام یعنی کلمہ کے اخیر حرف

---

[1] کیونکہ میم جمع میں ضمہ ہی اصل ہے اسی طرح جب واو جمع غیر مدہ ہو تو اسکو اجتماع ساکنین کے وقت ضمہ دیتے ہیں، یہ صورت معتل لام کے افعال میں پیش آتی ہے چنانچہ ناقص یائی کی مثال جیسے اٰتَوُا الزَّکٰوةَ۔ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ، رَاَوُا الْعَذَابَ، اور تَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ وغیرہ ناقص واوی جیسے دَعَوُا اللّٰهَ۔ اس واو کو واو مدہ کی طرح حذف نہیں کیا جاتا، تاکہ صیغہ واحد سے مشابہت نہ ہو جائے، مثلاً اٰتَوْا اصل میں اٰتَیُوْا تھا، یا متحرک ماقبل مفتوح، اسلیے یا کو الف سے بدلا اور الف اجتماع ساکنین کیوجہ سے حذف ہو گیا، اور ضمہ دینے اور کسرہ نہ دینے کی وجہ بھی یہی ہے تاکہ یہ ضمہ اپنے ماقبل کے حذف اور اس کی حرکت پر دال ہو جائے،

[2] قاعدہ کے خلاف فتحہ دینا توالی کسرتین سے بچنے کے لیے ہے کیونکہ میم بھی کمسور ہے اور اِنِ امْرُؤٌ میں ایسا نہیں کیا گیا، مِنْ کے مقابل اِنْ کے قلیل الوقوع ہونے کیوجہ سے۔

[3] بہت سے مواقع میں قرانی کلمات دو یا دو سے زیادہ ایک ساتھ ملا کر لکھے گئے ہیں، یہ ملا کر لکھنا ہی اس لفظ کا اصلی رسم الخط کہلاتا ہے چنانچہ اس کے خلاف الگ الگ لکھنا صحیح نہیں ہوتا، اسی طرح وقف میں ان کو کاٹ کر علیحدہ پڑھنا بھی غلط ہوتا ہے مثلاً عَنْكُمْ میں عَنْ پر وقف کرنا صحیح نہیں کیونکہ دو ضمیر کُمْ کیساتھ ملا کر لکھا گیا ہے، ہذا کلمہ موصول بمعنی کُمْ پر وقف کریں گے مصنف نے حرف غیر موصول سے یہی مراد لی ہے میں یعنی کلمہ کا آخر محل وقف ہے جبکہ سکے کلمہ سے ملا کر لکھا گیا۔

کو ساکن کرکے ہونٹوں کو اس طرح گول کرنا کہ جس طرح واؤ کے ادا کرنے میں کیا جاتا ہے اس کو دیکھنے والا معلوم کر سکتا ہے۔ تیسری صورت وقف بالروم یعنی کلمہ کے اخیر حرف پر اس طرح سانس توڑنا کہ تھوڑی سی حرکت یعنی حرکت کا تہائی حصہ[1] باقی رہے، اسکو قریب والا سن سکتا ہے۔

ف۔ وقف بالاسکان تینوں حرکتوں میں ہوتا ہے اور وقف بالروم ضمہ و کسرہ میں، اور وقف بالاشمام صرف ضمہ میں ہوتا ہے، ان دونوں کی مشق استاد کامل سے کرنا چاہیے تاکہ صحیح طور پر روم و اشمام کر سکے۔

ف۔ وقف بالروم فقط حالت قصر[2] میں، اور وقف بالاشمام قصر و توسط و طول تینوں حالتوں میں ہوتا ہے۔

ف۔ وقف بالروم میں اگر آخری حرف پر تنوین ہو تو ایک ہی ضمہ اور کسرہ کی تہائی حرکت پڑھی جائیگی، یعنی تنوین حذف ہو جائے گی، جیسا کہ ہائے ضمیر کا وقف بالاسکان میں صلہ حذف ہو جاتا ہے۔

ف۔ کلمہ کے آخر حرف کی کئی حالتیں ہوتی ہیں، اور ہر ایک کا حکم جدا ہے، چنانچہ اگر کہیں حالت وقف میں دو مد جمع ہو جائیں اور ایک عارضی ہو تو قصر جائز نہ ہو گا جیسے یَشَآءُ پر وقف کرنے میں دو[3] مد ہیں، ایک متصل دوسرا مد عارضی، اس میں قصر جائز نہیں۔

---

[1] حرکت کے تہائی حصہ سے مراد اسکی آواز کا تہائی حصہ مراد ہے، چنانچہ علامہ شاطبی فرماتے ہیں ؎

وَرَوْمُكَ إِسْمَاعُ الْمُحَرَّكِ وَاقِفاً ۔ بِصَوْتٍ خَفِيٍّ كُلُّ دَانٍ تَنَوَّلَا ۔ یعنی حالت وقف میں حرکت کو ایسی خفی آواز میں پڑھنا کہ صرف قریب بیٹھنے والا ہی سن سکے ۔ نیز فوائد مکیہ میں ہے "حرکت کو خفی آواز سے پڑھنا روم ہے" (نیز دیکھو نہایۃ القول المفید ص۲۰۵ بیان انواع الوقف علی اواخر الکلم)

[2] کیونکہ مد سکون وقفی کی وجہ سے ہوتا ہے اور روم میں حرکت پڑھی جاتی ہے لہذا مد نہ ہو گا۔ حاصل یہ کہ موقوف علیہ سے پہلے اگر حرف مد یا حرف لین ہو اور موقوف علیہ پر ضمہ ہو جیسے نَسْتَعِيْنُ ہ اور مِنْ حَيْثُ ہ تو اس میں سات وجوہ جائز ہونگی، طول، توسط، قصر مع الاسکان، طول توسط، قصر مع الاشمام اور قصر مع الروم اور اگر کسرہ ہو جیسے لِلرَّحْمٰنِ، اور مِنْ خَوْفٍ ہ تو چار وجوہ ہونگی طول، توسط، قصر مع الاسکان اور قصر مع الروم اور اگر فتحہ ہو جیسے الظّٰلِمِیْنَ ہ اور لَا ضَيْرَ ہ تو صرف تین یعنی طول، توسط، اور قصر مع الاسکان۔ (ارشاد المرید للضباع)

[3] یعنی اگر موقوف علیہ ہمزہ ہو اور اس سے پہلے حرف مد ہو تو مضموم میں طول، توسط مع الاسکان، طول، توسط مع الاشمام اور توسط مع الروم کل پانچ وجوہ جائز ہیں، اور موقوف مکسور میں جیسے مِنَ السَّمَآءِ طول، توسط مع الاسکان۔ اور توسط مع الروم تین وجوہ ہونگی اور مفتوح میں جیسے جَآءَ طول، توسط مع الاسکان صرف دو وجوہ ہونگی۔ اسی طرح اگر مد لازم کلمی مثقل مد عارض وقفی کے ساتھ جمع ہو جائے جیسے عَلَیْهِ اٰدَآبَّةٍ وَالدَّوَآبِّ، وَلَا جَآنٌّ ہ تو ہر صورت صرف طول ہو گا توسط قصر جائز نہیں۔ (ارشاد المرید للضباع)

اس لئے کہ اسمیں سبب اصلی کا لغو ہونا اور سبب عارضی کا اعتبار ہونا لازم آئے گا ،

اب کلمہ کے مختلف حالات باعتبار حرکات[1] بیان کئے جاتے ہیں۔ ان کو خوب یاد کرلیا جائے (۱) اگر کلمہ کا آخری حرف ساکن ہے تو سانس توڑ کر ٹھہرنا چاہیے جیسے مِنْکُمْ عَنْکُمْ میم وقف کرنے سے پہلے بھی ساکن تھا (۲) اگر آخری حرف متحرک ہو تو اسکو ساکن کرکے سانس توڑنا چاہیے جیسے اَلْعٰلَمِیْنْ کیونکہ نون پر زبر ہے، یہی حکم اسکا بھی ہے کہ جسپر دو زیر یا دو پیش ہوں جیسے رَحِیْم کہ رَحِیْمٌ تھا اور مُبِیْن کہ اصل میں مُبِیْنٍ تھا۔ (۳) اگر آخری حرف پر دو زبر ہوں تو تنوین کو الف سے بدل کر سانس توڑ کر ٹھہرنا چاہیے جیسے غَفُوْرا ۔ رَحِیْما کہ اصل میں غَفُوْرًا ۔ رَحِیْمًا تھا۔ (۴) اگر آخری حرف پر ایسی تاء ہو جو بصورت ہ لکھی جاتی ہے تو اس تاء کو ھاء ساکن سے بدل کر ٹھہرنا چاہیے جیسے فَجَرَہْ کہ اصل میں فَجَرَۃٌ تھا۔ اس تاء کو تاء مُدَوَّرہ کہتے ہیں اور اس چوتھی صورت میں روم و اشمام نہ ہوگا۔ نیز یاد رہے کہ نمبر تین و چار کے وقفوں کو وقف ابدال کہا جاتا ہے ۔

تنبیہ :۔ روم و اشمام عارضی حرکت میں نہیں ہوتا جیسے اَنْذِرِالنَّاسَ ، عَلَیْھِمُ الْقِتَالُ ، بلکہ اصلی حرکت میں ہوتا ہے اور اصلی اور عارضی حرکت کو عربی والے جانتے ہیں، لہٰذا جہاں شبہ ہو وہاں کسی عالم سے پوچھ لیا جائے کہ یہ حرکت کیسی ہے! اگر اخیر حرف پر تشدید ہو تو روم و اشمام میں بدستور باقی رہے[2] گی ۔

تنبیہ ۔ وقف کرنے میں[3] اسکا خیال رکھنا بہت ضروری ہے کہ جہاں پکی گول آیت ○ لکھی ہو، یا وقف کی نشانیوں میں سے کوئی معتبر نشانی لکھی ہو جیسے (م) وقف لازم کی نشانی (ط) وقف مطلق کی نشانی (ج) وقف جائز کی نشانی تو وہیں ٹھہر جانا چاہیے ، اور یہ بھی خیال رکھنا چاہیے کہ جہاں تک ہو سکے پکی آیت پر ٹھہرے اسکے بعد (م) پر، اسکے بعد (ط) پر، اسکے بعد (ج) پر، گویا پڑھنے کا ایسا انداز رکھے کہ سانس ہمیشہ آیت پر ٹوٹے ، کیونکہ بے موقع سانس توڑنے سے کلام کی خوبی جاتی رہتی ہے بلکہ بعض جگہ معنیٰ بدل جانے کا اندیشہ ہوتا ہے ، اسلئے آیت یا آیت کی نشانی پر ہی وقف کرنے کی عادت ڈالنی چاہیے اور اسی کی پابندی کرنی چاہیے اس وقف کو وقف اختیاری کہتے ہیں ، اگر تنگی سانس یا کسی اور مجبوری کیوجہ سے درمیان آیت پر سانس توڑنے کی ضرورت پیدا ہو گئی تو وقف کے قاعدے کے موافق

---

[1] یعنی یہاں سے آخر کلمہ پر کیفیت وقف کو بیان کرنا چاہتے ہیں یعنی وقف کسطرح کیا جاتا ہے۔ [2] چنانچہ علامہ جزری علیہ الرحمۃ نشر میں فرماتے ہیں "مشدد پر وقف کرتے ہوئے تشدید کا تحفظ ضروری ہے ، اگر وقف بالاسکان یا بالاشمام کی صورتوں میں اجتماع ساکنین کا شبہ ہو تو اسکا ازالہ یہ ہے کہ کوئی حرج نہیں ، حالت وقف میں اجتماع ساکنین جائز ہے"

[3] یہاں سے عمل وقف کا [illegible] اشمام کیساتھ ۔

سانس توڑ کر ٹھہرنا چاہیے، اور جس کلمہ پر سانس توڑا ہے، یا تو اسی کلمہ سے، یا اس سے پہلے کلمہ[1] سے ضرور لوٹانا چاہیے، تاکہ کلام مسلسل ہو جائے، اس وقف کو وقف اضطراری کہتے ہیں اکثر لوگ وقف کرنے میں بہت غلطی کرتے ہیں، کہ حرکت کو باقی رکھتے ہیں جیسے بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ پر وقف کرنے میں کاف پر زبر پڑھ کر چھوڑ دیتے ہیں اور سانس توڑ دیتے ہیں، یہ صحیح نہیں، یہ جاہلوں کا طریقہ ہے اور قاعدہ کے بالکل خلاف ہے، اسکو نہ وقف کہتے ہیں نہ وصل، کیونکہ وقف میں آخری حرف کو ساکن کرنا بھی ضروری ہے، اور وصل میں اگلے کلمہ سے ملاکر پڑھنا ضروری ہے، اور صورت مذکورہ میں ان دونوں باتوں میں سے ایک بھی نہیں،

دوسری فصل وقف کی اقسام میں :- جاننا چاہیے کہ وقف کی چار قسمیں ہیں۔ (تام) دوسرے (کافی) تیسرے (حسن) چوتھے (وقف قبیح) اگر ایسی جگہ وقف کیا جائے کہ بعد والے کلمہ سے لفظی و معنوی کوئی تعلق نہ ہو تو اس کو وقف تام کہتے ہیں جیسے وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ[2] پر، اور اگر مابعد سے تعلق معنوی ہے، تو اس کو وقف کافی[3] کہتے ہیں جیسے يُؤْمِنُوْنَ ۝ يُوْقِنُوْنَ ۝ ان دونوں کا حکم یہ ہے کہ وقف کرکے مابعد سے شروع قراءۃ کرے، ماقبل سے لوٹانے کی ضرورت نہیں، ماقبل کہتے ہیں دو حرفوں میں سے جو حرف داہنی طرف ہو جیسے رب میں ر ار با رکے ماقبل ہے اور مابعد اس کو کہتے ہیں جو دو حرفوں میں سے دوسرا حرف بائیں طرف ہو جیسے رب میں با ر رکے مابعد ہے۔ اور اگر مابعد سے تعلق[4] لفظی ہے تو وقف حسن ہے اس کا حکم یہ ہے کہ اگر آیت پر وقف کیا ہے تو مابعد سے شروع کرے، ورنہ ماقبل سے

---

[1] جملہ یا جملہ کے درمیان جہاں سے کسی مفہوم کی ابتدا ہوتی ہو، وہیں سے ابتدا کرے، [2] کہ شروع سورۂ بقرۂ سے یہاں تک مؤمنین کا حال ختم ہوگیا، آگے کفار کا حال شروع ہوتا ہے۔ گویا اس وقف کے ماقبل کا مابعد سے لفظی و معنوی کسی قسم کا تعلق نہیں اسلئے یہ وقف تام کہلائیگا۔ اسی طرح سورتوں کے اواخر پر جو وقف ہوگا وہ وقف تام ہی کہلائیگا، نیز یاد رہے کہ وقف تام عموماً تو رؤس آیات پر ہوتا ہے، اور کہیں کہیں درمیان آیت میں بھی ہوتا ہے جیسے وَمَا يَعْلَمُ تَاوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ

[3] یعنی کوئی مضمون مسلسل کئی آیتوں میں آئے اور متعدد فقروں میں اسطرح بیان کیا گیا ہو کہ ہر فقرہ نحوی ترکیب کے لحاظ سے علیحدہ علیحدہ ہو اسی قسم کے فقروں پر وقف کو وقف کافی کہتے ہیں [4] واضح ہو کہ وقف حسن اور وقف قبیح دونوں میں اتنی بات مشترک ہے کہ کلمۂ موقوفہ کا مابعد سے تعلق لفظی ہوتا ہے اور تعلق لفظی، تعلق معنوی کو مستلزم ہے، لہذا تعلق معنوی بھی ضرور ہوگا پھر دونوں میں باہم یہ فرق ہے کہ درمیان جملہ میں جہاں وقف کیا ہے اگر وہاں تک کسی نہ کسی درجہ میں بھی بات کا قدرے مفہوم واضح ہوتا ہو گو مکمل بات نہ ہو، تو وقف حسن ہے اور اگر بات بالکل غیر مکمل ہے کہ کوئی مفہوم پیدا ہی نہیں ہوتا، تو یہ وقف قبیح ہوگا، اول کی مثال جیسے اِيَّاكَ نَعْبُدُ یا اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى پر مثلاً وقف کیا جائے دوسرے کی مثال جیسے وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ یا اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ وغیرہ وغیرہ

اعادہ کرے۔ یا جس لفظ پر وقف کیا ہے، اسی سے اعادہ کرے جیسے اگر کسی نے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ پر وقف کیا تو یہ وقف حسن ہے لیکن اَلْحَمْدُ سے اعادہ کرنا چاہیے کیونکہ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ، صفت ہے اور اگر ایسے کلمہ پر وقف کیا کہ مابعد سے لفظی و معنوی دونوں تعلق ہیں تو اس پر وقف کرنا قبیح ہے، اگر اضطراراً کرے تو جائز ہے لیکن اعادہ ماقبل سے ضروری ہے۔ اور بلا اضطرار ایسے کلمہ پر وقف کرنا جائز نہیں جیسے مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ میں صرف مٰلِكِ پر وقف کرے۔

تنبیہ۔ وقف ہمیشہ کلمہ کے آخری حرف پر ہوتا ہے جیسا کہ گذرا۔ کلمہ کے درمیان میں وقف کرنا درست نہیں، اسی طرح وقف کرنے کے بعد ابتدا قراءت بھی کلمہ کے شروع سے ہوتی ہے، درمیان کلمہ سے نہیں، چنانچہ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ میں رَبِّ ال پر یعنی لام پر اگر کوئی سانس توڑ دے تو یہ درست نہیں، کیونکہ کلمہ کا درمیان ہے، اور اسیطرح رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ پر وقف کیا اور عٰلَمِیْنَ سے لوٹایا تو یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ کلمہ کے بیچ سے لوٹانا صحیح نہیں، اس صورت میں الف لام تعریف کی کمی ہوگئی لہٰذا اَلْعٰلَمِیْنَ[1] سے لوٹایا جائیگا، خوب سمجھ لو کہ بیچ کلمہ پر نہ تو وقف صحیح ہے اور نہ ابتدا صحیح ہے ایسا کرنا بڑی غلطی ہے۔

ف۔ ان سات کلموں پر وقف الف کے ساتھ کرنا چاہیے، اور وصل میں الف نہیں پڑھا جائے گا، (۱) لفظ[2] اَنَا تمام قرآن شریف میں جہاں بھی آئے، بخلاف اَنَاسِیَّ كَثِیْرًا کے، کیونکہ یہاں اَنَا کا الف نہیں، بلکہ اَنَاسِیَّ پورا لفظ ہے اس لئے کھینچکر[3] پڑھنا چاہیے، علیٰ ہذا القیاس سورہ ملک میں قَالُوْا بَلٰی قَدْ جَآءَنَا میں جو الف ہے وہ جاءنا پورا لفظ ہے کھینچکر پڑھنا چاہیے، خواہ حالت وقفی ہو یا حالت وصل (۲) لفظ[4] لٰكِنَّا، جو سورہ کہف میں ایک جگہ آیا ہے، (۳) اَلظُّنُوْنَا (۴) اَلرَّسُوْلَا (۵) السَّبِیْلَا یہ تینوں[5] لفظ سورہ احزاب میں

---

[1] اس مثال سے مصنف علیہ الرحمۃ صرف یہ تبلانا چاہتے ہیں کہ اگر کہیں معرف باللام کلمہ سے اعادہ کرنا ہو تو اسکو ہمزہ وصلیہ سے شروع کر کے اعادہ کرو لام تعریف کے بغیر اسکے مدخول سے اعادہ کرنا صحیح نہیں، لیکن یہ محض مثال ہے ورنہ العٰلمین پر وقف کرنے کی صورت میں اعادہ کی ضرورت ہی نہیں، کیونکہ راس الآیت ہے اور اوپر مصنف خود تبلا چکے ہیں کہ آیت پر وقف کیا جائے تو مابعد سے شروع کرے، [2] یہ اصل لفظ اَنَ بغیر الف ہی ہے الف محض فصل کے لئے لکھا جاتا ہے تاکہ اَنْ ناصبہ مصدریہ وغیرہ سے التباس نہ ہو۔ [3] اسی طرح اَلْاَنَامِلَ، مَنْ اَنَابَ، وَاَنَابُوا میں۔ [4] یہ خلاف قیاس لٰكِنْ اَنَا کا مخفف ہے، [5] ان تینوں میں رعایت فواصل کے لئے الف پڑھا گیا ہے، یعنی تاکہ دوسری رؤس آیات کے ہم وزن ہو جائیں یا شمولی قراءت کے لئے الف لکھا گیا ہے۔

آئے ہیں (۶) سَلٰسِلَاْ جو سورۃ دہر میں ہے، اس لفظ میں الف وقف کی حالت میں پڑھنا جائز ہے اور بلا الف بھی پڑھنا جائز ہے، (۷) پہلا قَوَارِیْرَا، جو سورۃ دہر میں ہے۔ دوسرے قَوَارِیْرَا پر وقف بلا الف ہی ہوگا۔

ف - تمام قرآن شریف میں چار جگہ سکتہ ہے، چونکہ سکتہ بھی وقف کے قریب قریب ہوتا ہے اسلئے یہیں بیان کیا جاتا ہے، دونوں میں یہ فرق ہے کہ وقف میں کلمہ کے آخر حرف پر سانس توڑ کر کچھ دیر تک ٹھہر کر آگے سے پڑھتے ہیں، اور سکتہ میں کلمہ کے آخر حرف پر بغیر سانس توڑے تھوڑی دیر ٹھہر کر اگلے جملہ سے ملا کر پڑھتے ہیں، وہ چار جگہ یہ ہیں، (۱) سورۂ کہف میں لفظ عِوَجًا۔ قَيِّمًا میں عِوَجًا کے الف پر کیونکہ سکتہ وقف ہی کے حکم میں ہے اس لئے عوجاً کی تنوین کو الف سے بدل کر سکتہ کیا جائے گا، بعض لوگ تنوین کو باقی رکھ کر سکتہ کرتے ہیں یہ غلطی ہے، (۲) سورۂ یٰسٓ میں مِنْ مَّرْقَدِنَا کے الف پر۔ (۳) سورۂ قیامہ میں لفظ وَقِيْلَ مَنْ رَاقٍ کے نون پر (۴) سورہ مطففین میں لفظ بَلْ رَانَ کے لام پر، ان چار جگہوں میں اگر سکتہ نہ کرے، تو بھی جائز ہے[1]، لہذا مَنْ رَاقٍ میں نون کا ادغام را، میں اور بَلْ رَانَ میں لام کا ادغام را میں، اور عِوَجًا قَيِّمًا میں اخفار ہوگا

تنبیہ - عوام میں جو مشہور ہے کہ سورۂ فاتحہ میں سات جگہ سکتہ کرنا نہایت ضروری ہے اگر سکتہ نہ کیا جائے تو شیطان کا نام ہو جائے گا یہ سخت غلط اور بے اصل بات ہے وہ سات جگہ یہ ہیں۔ (دُلِل، هِرَبْ، كِيَوْ، كَنَعْ، كَنَسْ، تَعَلْ، بِعَلُ) اگر ایسا ہی کسی کلمہ کا اول، کسی کلمہ کا آخر ملا کر کلمات بنائے جائیں تو اور بھی بہت سے سکتے نکلیں گے۔

تتمہ ہائے ضمیر کے بیان میں

جاننا چاہیے کہ کلمہ کے آخر میں مثل کاف[2] کے جو ہا لاحق ہوتی ہے، اسکو ہائے ضمیر کہتے ہیں اس ضمیر سے پہلے اگر کوئی حرف مفتوح یا مضموم یا ساکن علاوہ یار کے ہو تو یہ ہا مضموم ہوتی ہے، سوائے لفظ يَتَّقْهِ کے، جو سورہ نور میں ہے یہ ہا مکسور ہے، اب اگر ہا

---

[1] علامہ جزری کے طریق میں۔ علامہ شاطبی کے طریق میں صرف سکتہ ہے [2] یعنی مثل کاف خطاب کے، جو بطور ضمیر لاحق ہوتا ہے یا ایسے تعریف کی تاکہ ہا سکتہ اور ہاء اصلیہ نکل جائے جن کا بیان آگے آتا ہے

ضمیر سے پہلے کوئی حرف ساکن ہو یا بعد میں بھی کوئی حرف ساکن یا مشدد ہو تو اس پیش کو بلا کھینچے پڑھیں گے جیسے عَنْهُ ۔ لَهُ الْمُلْكُ ۔ لَهُ الدِّيْن ، اور اگر اس ہار سے پہلے اور بعد میں حرکت ہو تو اس ضمہ کے ساتھ واؤ ساکن ملا کر پڑھیں گے جیسے مَالُهٗ وَمَا کَسَبَ ۔ اسکو اصطلاح میں صلہ کہتے ہیں مگر لفظ یَرْضَهُ لَكُمْ جو سورہ زمر میں ہے اس میں ضمہ کو بلا کھینچے پڑھا جائے گا ، اگر ہائے ضمیر سے پہلے کوئی حرف مکسور یا یار ساکنہ ہو تو یہ ہار مکسور ہوگی ، مگر اس سے چند الفاظ مستثنیٰ ہیں پہلا لفظ اَنْسَانِيْهُ جو سورہ کہف میں ہے دوسرا لفظ عَلَيْهُ اللهَ جو سورہ اِنَّا فَتَحْنَا میں ہے ان دونوں جگہ ہار مضموم ہے ۔ تیسرا لفظ اَرْجِهْ جو سورہ اعراف و شعرار میں ہے ، چوتھا لفظ فَاَلْقِهْ سورہ نمل میں ، ان دونوں جگہ ہار ساکن ہے اب اگر اس ہار ضمیر سے پہلے یار ساکن یا بعد میں کوئی حرف ساکن ہو تو اس کسرہ کو بلا کھینچے پڑھیں گے جیسے عَلَيْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى سوائے لفظ فِيْهٖ مُهَانًا کے جو سورہ فرقان میں ہے کہ اسکو کھینچکر پڑھینگے اگر ہار ضمیر سے پہلے ، اور بعد میں حرکت ہو تو اس زیر کے ساتھ یار ساکن کو ملا کر پڑھینگے ۔ جیسے اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا اس کو صلہ کہتے ہیں ،

تنبیہ ۔ نَفْقَهُ كَثِيْرًا سورہ ہود میں اور فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ سورہ مؤمنون اور سورہ صٰفّٰت میں لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ سورہ مریم اور سورہ شعرار میں لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ سورہ علق میں صلہ نہ ہوگا کیونکہ یہ ہار ضمیر کی نہیں بلکہ نفس کلمہ کی ہے[۱] ۔

تتمہ ۔ ہار ضمیر کیطرح کلمہ کے آخر میں ہار سکتہ بھی ہوتی ہے ، یہ کلمہ کی آخری حرکت ظاہر کرنے کیلئے لائی جاتی ہے اور یہ ہر حال میں ساکن ہوتی ہے ۔ خواہ وصل کرکے پڑھے یا وقف کرکے ، یہ ہار قرآن شریف میں کل نو جگہ آئی ہے ، اول سورہ بقرہ میں لفظ لَمْ يَتَسَنَّهْ دوسری سورہ انعام میں فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ، سورہ حاقہ میں كِتَابِيَهْ ، ہر دو جگہ اور لفظ حِسَابِيَهْ ہر دو جگہ اور لفظ مَالِيَهْ سُلْطَانِيَهْ ، اور نویں سورۃ القارعہ میں لفظ مَاهِيَهْ ، ان میں اسکا اہتمام کرنا چاہیے کہ حرکت پوری ظاہر ہو ، اور ہار کو بھی مع صفات کے ادا کرے بعض لوگ ایسی ہا کو یار یا الف کر دیتے ہیں ، یہ غلطی ہے ،

خاتمہ فوائد متفرقہ میں

ف ۔ جاننا چاہیے کہ لفظ لَا تَاْمَنَّا جو سورہ یوسف میں ہے اس کی اصل لَا تَاْمَنُنَا

---

[۱] اسی طرح غَيْرَ مُتَشَابِهٍ (انعام) ، وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ (لقمان) اور لفظ اَللّٰهُ میں نفس کلمہ کی ہا ہے ۔

دونُونوں کے ساتھ ہے جن میں پہلا مضموم اور دوسرا مفتوح ہے، لفظ مذکور کے پڑھنے کے دو طریقے ہیں، پہلا طریقہ یہ ہے کہ نون کا ادغام نون میں کیا جائے جسطرح قرآن شریف میں لکھا ہے، تو اس صورت میں اشمام واجب ہے، جیسا کہ وقف بالاشمام میں بیان ہوا، دوسرا طریقہ یہ ہے کہ بلا ادغام کئے پڑھا جائے، یعنی لَا تَاْمَنُنَا، تو روم واجب ہے، یعنی پہلے نون کی حرکت کا تہائی حصہ پڑھا جائے، اشمام دیکھنے سے اور روم پاس والے کو سُننے سے معلوم ہوتا ہے، عام طور سے لوگ ادغام بلا اشمام کرتے ہیں، یہ غلط ہے، اس سے بچنا چاہیے اور واقف کار سے اسکی تصحیح ضروری ہے

ف۔ جس جگہ ساکن کے بعد ہمزہ آئے تو ساکن کے سکون کو اور ہمزہ کو خوب صاف صاف پڑھنا چاہیے، بہت سے حفّاظ جلدی میں ہمزہ کی حرکت اس سے پہلے والے حرف پر پڑھ دیتے ہیں اور ہمزہ کو گرا دیتے ہیں یہ صحیح نہیں، چنانچہ قَدْ فَلَحَ بجائے قَدْ اَفْلَحَ پڑھ دیتے ہیں۔ اور بعضے ہمزہ سے پہلے والے حرف کو مشدّد پڑھ دیتے ہیں جیسے قَدْ اَفْلَحَ کو قَدَّ فْلَحَ یہ بھی غلط ہے، اس سے بھی بچنا ضروری ہے، علیٰ ہذا سکون لام کو خوب صاف پڑھنا چاہیے، خاص کر لفظ ظَلَلْنَا۔ جَعَلْنَا۔ اَرْسَلْنَا، اَنْزَلْنَا بعض لوگ اس لام کو فتحہ دے کر یا قلقلہ کرکے پڑھتے ہیں، بالکل غلط ہے، اس سے بچنا چاہیئے[1]

ف۔ لفظ لَيَكُوْنًا سورۂ یوسف میں اور لَنَسْفَعًا سورہ علق میں، زبر کی تنوین کے ساتھ لکھا ہوا ہے اس پر وقف الف کے ساتھ ہوگا، چونکہ وقف تابع رسم الخط کے ہے اگرچہ حقیقت میں یہ نون خفیفہ ہے نیز لفظ وَكَاَيِّنْ قرآن شریف میں متعدد[2] جگہ نون کے ساتھ لکھا ہوا ہے اس پر بھی وقف نون کے ساتھ ہوگا، اسی وجہ سے کہ وقف تابع رسم خط کے ہے اگرچہ حقیقت میں یہاں تنوین زیر کی ہے،

تنبیہ۔ جلدی اور تیز پڑھنا کوئی کمال کی بات نہیں اور نہ ضروری، اور یہ معلوم بھی ہو چکا ہے کہ قواعد تجوید کی رعایت اور پابندی ضروری ہے اگر کوئی قواعد کی پابندی پورے

---

[1] اسی طرح لام ساکن، نون ساکن کے بعد حروف حلقی میں سے کوئی حرف آجائے تو عموماً لام، نون میں قلقلہ ہوجاتا ہے جیسے قُلْ اَعُوْذُ، اَلْحَمِيْدُ، اَنْعَمْتَ، الانهار وغیرہ نیز میم ساکن کے بعد واو یا فا ہو تو بھی میم کو قلقلہ سے بچانا چاہیے ایسے ہی عین ساکن کے بعد میم آئے جیسے تَعْمَلُوْنَ، يَعْمَلُوْنَ تو عین کا میم میں ادغام نہیں ہونا چاہیے، آجکل کے اہل عرب قراء کے یہاں یہ اغلاط بکثرت ہیں۔[2] سات جگہ ہے۔ آل عمران رکوع ۱۵، سورۂ یوسف ع ۱۲، سورۂ حج ع ۶، دو جگہ عنکبوت رکوع ۶، سورہ محمدؐ رکوع ۲، سورۂ طلاق رکوع ۲،

طور پر کرتا ہے ، اور تیز بھی پڑھتا ہے تو کمال کی بات ہے ، اور جس شخص سے تیز پڑھنے میں ضروری قواعد کی پابندی اور رعایت نہ ہو سکے تو اس کے لئے اتنا تیز پڑھنا جائز نہیں اس کے ذمہ ضروری ہے کہ صاف اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھے ، آجکل یہ وبا ایسی پھیلی ہے کہ بعض پڑھے لکھے لوگ باوجود قواعد جاننے کے پھر بھی تیز پڑھنے کے پیچھے ایسا پڑتے ہیں کہ لحن خفی، تو درکنار لحن جلی میں مبتلا ہو جاتے ہیں ، ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ قرآن شریف کا حق ادا نہیں ہو سکتا ، حاصل یہ ہے کہ قواعد کی پابندی اور رعایت کے ساتھ تیز پڑھ سکے تو اس میں کوئی خرابی نہیں بلکہ اچھا ہے ، ورنہ زیادہ اور تیز پڑھنے میں کوئی نفع نہیں ،

ف ۔ قرآن شریف پڑھنے کے تین طریقے ہیں (۱) ترتیل ، یعنی قرآن شریف کو بہت ٹھہر ٹھہر کر اطمینان کے ساتھ مخارج وصفات کا لحاظ رکھ کر پڑھنا ،

(۲) تدویر یعنی قرآن شریف کو درمیان درمیان پڑھنا نہ زیادہ جلدی ہو اور نہ زیادہ ترتیل ،

(۳) حدر ۔ یعنی قرآن شریف کو تیز پڑھنا قواعد تجوید کا لحاظ رکھتے ہوئے ،

ف ۔ سورہ حجرات میں لفظ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ میں اَلْاِسْمُ کے دونوں ہمزہ گر جاتے ہیں ، یعنی لام تعریف سے پہلے والا اور سین سے پہلے والا ، لہذا پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ بسبب اجتماع ساکنین لام تعریف کو زیر دے کر ...... بِئْسَ لِاسْمُ الْفُسُوْقُ پڑھا جائے گا ، اسی پر تمام قراء کا اتفاق ہے ۔ اور علماء صرف نے بھی اسی طرح ، جیسا کہ نوادر الاصول ۔ شرح فصول اکبری میں حضرت مولانا مفتی سعد اللہ صاحب رامپوری نے خوب تحقیق سے بیان فرمایا ہے ، بعض پڑھے لکھے عربی جاننے والے لوگ اس لفظ کے پڑھنے میں سخت غلطی کرتے ہیں کہ اَلْاِسْمُ کا دوسرا ہمزہ جو سین سے پہلے ہے ۔ اس کو کسرہ پڑھتے ہیں یہ بالکل غلط ہے اس سے بچنا ضروری ہے ،

ف ۔ چار جگہ قرآن شریف میں صاد کے اوپر چھوٹا سا سین لکھا ہوا ہے وہ الفاظ یہ ہیں یَبْصُۜطُ ۔ سورۃ بقرہ میں ، اور بَصْۜطَۃً ، سورہ اعراف میں ، اَلْمُصَۜیْطِرُوْنَ ، سورۃ طور میں ، بِمُصَۜیْطِرٍ سورہ غاشیہ میں ، پہلے اور دوسرے میں صرف سین اور چوتھے میں صرف صاد پڑھنا چاہیے ، اور تیسرے میں سین وصاد دونوں پڑھنا جائز ہیں ۔

ف ۔ الفاظ مندرجہ میں الف کسی صورت میں پڑھنا جائز نہیں ، خواہ حالت وصلی

ہو یا حالت وقفی۔ اَوْ یَعْفُوَا ، اَنْ تَبُوْٓاَ[1] ، لِتَتْلُوَا ، لَنْ نَّدْعُوَا ، لِیَرْبُوَا[2] ، لِیَبْلُوَا ، نَبْلُوَا ، اَنْ اَتْلُوَا ، ثَمُوْدَا[3] ، قَوَارِیْرَا[4] دوسرا جو سورۃ دہر میں ہے

ف. لام الف کے ساتھ پانچ جگہ لکھا ہے مگر الف کے ساتھ پڑھنا جائز نہیں بہت بڑی غلطی ہے، بہت سے لوگ الف کے ساتھ پڑھتے ہیں جس کی وجہ سے بعض صورتوں میں نماز فاسد ہو جانے کا اندیشہ ہے، لہٰذا ان مواقع کو حفظ یاد کرلینا چاہیے اور بلا الف پڑھنا ضروری ہے، وہ مواقع یہ ہیں[5]۔ لَاۡاِلَی اللّٰہِ تُحْشَرُوْنَ ، وَلَاۡاَوْضَعُوْا ، اَوْلَاۡاَذْبَحَنَّہٗ ، لَاۡاِلَی الْجَحِیْمِ ، لَاۡاَنْتُمْ اَشَدُّ رَھْبَۃً اسیطرح اَفَا۠ئِنْ ، مَلَا۠ئِہٖ ، نَبَا۠ئِیْ ، لِشَا۠ئْ ، مِا۠ئَۃٍ ، مِا۠ئَتَیْنِ بلا الف پڑھنا ضروری ہے۔

ف. سورۃ روم کے آخر کے رکوع میں، شروع ہی رکوع میں لفظ ضُعْف میں تینوں جگہ ضاد کا زبر پڑھنا بھی جائز ہے، لہٰذا اگر کوئی زبر پڑھے تو اس پر اعتراض نہ کرنا چاہیے۔ جس طرح پیش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت امام حفص رحمۃ اللہ نقل

---

[1] واو مدہ کے بعد ہمزہ بصورت الف صرف تین لفظوں میں ہے ایک اَنْ تَبُوْٓاَ دوسرا لَتَنُوْٓاُ اور تیسرا اَلسُّوْٓاٰی (مقنع ص۴۳ درایۃ) حاصل یہ کہ یہ الف نہیں بلکہ ہمزہ ہے اور وصلاً وقفاً ہمزہ ہی پڑھا جائے گا۔

[2] ان الفاظ کے آخر میں جو الف مرسوم ہے وہ الف فاصل کہلاتا ہے۔ یعنی اس بات میں فرق کرنے کے لئے کہ واوٗ حرف عطف نہیں، اسی وجہ سے واوِ جمع کے بعد بھی یہ الف لکھا جاتا ہے جیسے قَالُوْا۔ ظَلَمُوْا وغیرہ۔ لہٰذا وصلاً یا وقفاً مقروء نہیں، کیونکہ حروف تلاوت سے اسکا تعلق نہیں، بلکہ نشان و علامت ہے

[3] سورہ ہود، سورہ فرقان، سورۂ عنکبوت، سورۂ نجم، میں چار جگہ ہے اور چاروں جگہ الف مرسوم ہے یہ الف شمول قرات کے لئے ہے، دوسری قراتوں میں یہ منصوب منوّن ہے

[4] دونوں لفظ قواریرا کے آخر میں، الف شمول قرات کے لئے ہے، کیونکہ بعض قرات متواترہ میں دونوں منصوب منوّن ہیں روایت حفصؒ میں دونوں منصوب غیر منوّن ہیں لہٰذا وصل میں تو دونوں کا الف نہیں پڑھا جائے گا، اور وقف میں پہلے قواریرا پر الف کے ساتھ وقف ہوگا، کیونکہ یہاں راس آیت ہے اور رعایت فواصل کی بنا پر وقف میں الف پڑھا گیا جیسا کہ سورۃ احزاب میں اَلظُّنُوْنَا ، اَلرَّسُوْلَا اور اَلسَّبِیْلَا کے آخر میں وقفاً الف پڑھا گیا ہے، دوسرا قواریرا چونکہ نہ محل وقف ہے نہ روایت میں وصلاً تنوین پڑھی گئی، کسی حال میں بھی الف نہیں پڑھا گیا، نیز علامہ دانی نے مقنع میں فرمایا ہے کہ دوسرے قواریرا کے آخر میں مصاحف اہل بصرہ میں الف نہیں مقنع ص۳۹ ، [5] دیکھو صفحہ ۵۲

کرتے ہیں، اسی طرح زبر بھی ثابت ہے۔
اسی طرح اگر کوئی قاری سبعہ قرارت یا عشرہ میں پڑھے تو سکون سے سنے، اور یہ عقیدہ رکھے کہ جس طرح روایت امام حفصؒ ثابت ہے اسی طرح اسکا بھی حکم ہے، چنانچہ نماز وتراویح میں اسکو پڑھنا جائز ہے، البتہ بتلاکر پڑھے، تاکہ ناواقف لوگ غلط نہ سمجھیں، روایت امام

۵ے حاشیہ صفحہ ۵۱ - لام الف کے بعد الف کی زیادتی جن پانچ کلمات میں بیان کی گئی ہے، ان کی صورت رسم میں علماء رسم کے یہاں پانچوں کا حکم یکساں نہیں، بلکہ نقشۂ ذیل کو ذہن میں رکھئے، پانچوں کے رسم کا طریقہ مع تعین سورت لکھا جاتا ہے۔

شمار	کلمات قرآنی	تعین سورت ورکوع	علماء رسم کا صحیح فیصلہ	حوالہ کتب
۱	لَاۡاِلَى اللّٰهِ تُحۡشَرُوۡنَ	آل عمران رکوع ۱۷	الف کی زیادتی کے ساتھ لکھنا اور نہ لکھنا دونوں طرح صحیح ہے، عام طور پر الف لکھا ہوا ہے	عقیلہ
۲	لَاۡاَوۡضَعُوۡا خِلٰلَكُمۡ	توبہ رکوع ۷	اجلۂ اہل رسم کے نزدیک بزیادتی الف ہی صحیح ہے	عقیلہ ومقنع
۳	اَوۡلَاۡاَذۡبَحَنَّهٗ	نحل رکوع ۲	باتفاق جمیع اہل رسم بزیادتی الف ہے۔	عقیلہ ومقنع
۴	لَاۡاِلَى الۡجَحِيۡمِ	صافات رکوع ۲	الف کی زیادتی بالخلف ہے یعنی بزیادتی الف لکھنا اور نہ لکھنا دونوں طرح صحیح ہے،	عقیلہ
۵	لَاۡاَنۡتُمۡ اَشَدُّ رَهۡبَةً	حشر رکوع ۲	اس میں الف کی زیادتی کسی معتبر طریق سے ثابت نہیں صرف کتاب مورد الظمآن میں بالالف لکھا ہے،	تعلیقات مالکیہ،

نوٹ:- بعض مصاحف میں کلمہ لَاۡنۡفَضُّوۡا مِنۡ حَوۡلِكَ (آل عمران) کو بھی الف کی زیادتی کے ساتھ لکھا ہے جو بالکل بے اصل ہے کتب معتبرہ رسم خط میں اسکا کوئی تذکرہ نہیں،

تعلیقات مالکیہ ونہایۃ القول المفید ص ۱۸۷

حفص ، کی مشق کے بعد قراءت سبعہ اور عشرہ ضرور پڑھنا چاہیے ، آجکل اس کے جاننے والے بہت کم ہیں ، اور اسکا سیکھنا فرض کفایہ ہے ، جسطرح علم تجوید سے لوگ غافل ہیں اس سے زائد سبعہ عشرہ سے ناواقف ہیں ، حتیٰ کہ اگر کوئی سبعہ عشرہ میں پڑھتا ہے تو علماء کو بھی عام طور سے شبہ ہوتا ہے کہ غلط پڑھا ہے ، یہ سب علم سے بے توجہی کا نتیجہ ہے ۔ علم سبعہ و عشرہ میں شاطبی ، تیسیر ، ونشر واتحاف ، غیث النفع معتبر کتابیں ہیں ، ان کتابوں کو پڑھو ، اور اجراء کرو اس علم کی خدمت کی بہت ضرورت ہے ، اور سب سے بڑی فضیلت والا علم یہی ہے ،

تمّت بعون اللہ الکریم ، والحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ
والسلام علی سیّد المرسلین وعلیٰ اٰلہٖ واصحابہٖ اجمعین ،
برحمتك یا ارحم الراحمین اللّٰھمّ اٰمین

ے بلکہ یہ خیال بہت سے پڑھے لکھے لوگوں میں بھی بڑی مضبوطی سے قائم ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جو مصاحف اپنے دور خلافت میں لکھوائے تھے وہ اسی اختلاف قرارت کو ختم کرنے کے لئے تھے ، یہ غلط تخیل بالعموم کالجوں کے پروفیسروں اور بعض علماء میں ، میں نے پایا ہے ، سوچنا چاہیے کہ یہ اختلاف قرارت جبکہ منزل من السّماء ہے ، اور جس کے لئے بار بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعائیں مانگی ہیں ، جیسا کہ احادیث میں ہے اور جس کے متعلق مشہور حدیث اُنْزِلَ الْقُرْاٰنُ عَلٰی سَبْعَۃِ اَحْرُفٍ شاہد ہے ، اسکو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کیسے ختم کرسکتے ہیں ضرورت ہے کہ اس اہم مسئلہ کی حمایت میں اسلاف کی کتابوں سے اقتباسات کے ساتھ دلائل کی روشنی میں ایک مستقل کتاب تصنیف کی جائے ، تاکہ اس عام بے خبری کا ازالہ ہوسکے ۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی نَبِیِّہِ الْکَرِیْمِ

سوانح حیات

حضرت قاری عبدالخالق صاحب رحمۃ اللہ علیہ مؤلف رسالہ ہذا

پیدائش استاد محترم حضرت قبلہ قاری عبدالخالق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش ۱۲۹۸ھ میں علیگڑھ میں ہوئی آپ کے والد محترم کا نام شیخ جیون علی تھا۔ جو اگرچہ طبقہ غرباء سے تعلق رکھتے تھے لیکن شہر کے معزز لوگوں میں شمار کئے جاتے تھے آپ کے والد محترم کی دو شادیاں ہوئیں پہلی بیوی سے ایک صاحبزادے حاجی عبداللہ صاحب اور ایک صاحبزادی ہوئیں۔ ان کی والدہ کی وفات کے بعد دوسری شادی کی جن سے اخیر عمر میں قاری عبدالخالق صاحب اور آپ کے برادر خورد قاری عبدالمالک صاحب پیدا ہوئے چونکہ بڑھاپے کی اولاد عموماً بہت ہی پیاری اور محبوب ہوتی ہے اس لئے آپ کی پرورش نہایت نازونعم کے ساتھ کی گئی۔ جس وقت آپ کی عمر چار سال کی ہوئی تو بڑے شوق واہتمام کے ساتھ تمام احباب اور اعزاز کو جمع کرکے آپ کی تقریب بسم اللہ کرائی گئی۔

یتیمی - ابھی آپ کی عمر صرف چھ سال ہی کی تھی اور آپ کے برادر خورد قاری عبدالمالک صاحب بطن مادر ہی میں تھے (جو دو ماہ بعد پیدا ہوئے) کہ آپ کے والد محترم نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

ابتدائے تعلیم پدر بزرگوار کی وفات کے بعد آپکی والدہ محترمہ نے آپ کو محلہ کی ایک معلمہ کے سپرد کر دیا جن سے آپ نے قاعدہ اور چند پارے پڑھے۔ بعد میں جناب مولوی صدیق حسین صاحب مرحوم (جو خود جناب مولانا مفتی لطف اللہ صاحب مرحوم کے پاس عربی پڑھتے تھے اور محلہ کٹہرہ کی مسجد میں تعلیم دیتے تھے) کے سپرد کر دیا۔ یہاں آپ نے قرآن پاک ناظرہ ختم کرکے حفظ شروع کر دیا محلہ کے لوگوں نے اگرچہ آپ کی والدہ محترمہ سے کہا کہ حفظ کرا کر کیا کرو گی، کیا مسجد کا ملا بناؤ گی؟ انگریزی پڑھاؤ تاکہ کوئی بڑا دنیاوی اعزاز حاصل کر سکے۔ لیکن چونکہ حق تعالیٰ نے دنیاوی اعزاز کے ساتھ دینی اعزاز واکرام بھی مقدر کر دیا تھا۔ اسلئے آپ کی والدہ نے ان کی بات نہ مانی اور آپ بدستور قرآن شریف حفظ کرتے رہے۔ چونکہ قاری صاحب کو اسوقت آشوب چشم کا عارضہ اکثر رہتا تھا اسلئے کئی مرتبہ بارہ بارہ اور

پندرہ پندرہ پارے پڑھ کر نامکمل چھوڑ دینا پڑا۔ بعد صحت پھر ابتداء سے پڑھتے تھے جس کی وجہ سے آپکو حفظ قرآن میں تقریباً پانچ سال لگ گئے۔ حالانکہ ذہانت وذکاوت خداداد تھی جو بات ایک مرتبہ سن لی یا پڑھ لی عرصہ تک یاد رہتی تھی۔ حالانکہ بعض طلبار آپ کے استاد مولوی صدیق حسین صاحب سے اسوقت فارسی بھی پڑھتے تھے جو اگر کبھی کسی لفظ کے معنی بھول جاتے تو آپ سے دریافت کرتے تھے کہ فلاں لفظ کے معنی اسوقت مولوی صاحب نے کیا تبلائے تھے، آپ اکثر تبلا دیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ مولوی صدیق حسین صاحب اپنے استاد مفتی لطف اللہ صاحب کی درسگاہ میں اپنا رومال بھول آئے مولوی صاحب نے آپ کو رومال لینے کے لئے بھیجا آپ گئے۔ لیکن رومال وہاں نہ ملا۔ اس پر مفتی صاحب کے صاحبزادے نے کہا کہ جاؤ کہہ دینا ان اللہ مع الصّٰبرین۔ چنانچہ آپ نے اسی طرح آکر کہہ دیا جس سے آپ کے استاد بہت خوش ہوئے۔

ختم حفظ قرآن

آپ کا قرآن شریف حفظ ختم ہونے پر آپ کی والدہ محترمہ نے صرف رضائے الٰہی کے لئے بڑے اہتمام کے ساتھ تقریب ختم منائی۔ جس میں تمام اعزاء واقرباء اور طلبار مدرسہ عربیہ کو مدعو کیا گیا۔ استاد صاحب کی خدمت میں بقدر استطاعت جس قدر ہو سکا پیش کیا گیا۔ بعد فراغ طعام آپ نے حاضرین کے اصرار پر سورۂ مرسلات کا اخیر رکوع نہایت خوش الحانی کے ساتھ بآواز بلند پڑھا جسے سن کر تمام حاضرین کے منہ سے بے اختیار کلمات دعائیہ نکل رہے تھے۔ لیکن استاد صاحب کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں جاری تھیں بعد میں آپ کی والدہ نے استاد صاحب سے دریافت کیا کہ مولوی صاحب وہ وقت تو خوش ہونے کا تھا اور آپ رو رہے تھے اس پر مولوی صاحب نے جواب دیا کہ مجھے اس وقت عبدالخالق کے والد کی یاد آگئی تھی کہ اگر آج وہ زندہ ہوتے تو اپنے لخت جگر اور نور نظر کو دیکھ کر کس قدر خوش ہوتے اس کے بعد آپ گردان کرتے رہے اور ماہ رمضان المبارک میں اپنے محلہ کے قریب نورخاں والی مسجد میں پہلی محراب سنائی۔ استاد صاحب مکان سے اپنے ہمراہ لے جاتے اور بعد سماعت خود گھر پہنچا کر واپس تشریف لے جاتے چونکہ شفقت ومحبت بہت زیادہ تھی اور اپنی اولاد کے برابر سمجھتے تھے اسلیے پہلی ہی محراب میں قرآن شریف نہایت خیر وخوبی کے ساتھ عمدہ طریقہ پر سنایا۔ آپ قدرتی طور پر ابتدا ہی سے اپنے ہم جماعتوں میں امتیازی حیثیت کے مالک اور لوگوں کی نظروں میں مقبول تھے۔ اس لیے استاد صاحب کی خدمت میں اکثر اہل شہر کی درخواستیں آتی رہتی تھیں کہ اپنے شاگرد عبدالخالق سے ہماری مسجد میں شبینہ میں کچھ پڑھوا دیجئے۔ آپ کے استاد صاحب آپ کو اپنے ہمراہ لے جاکر مجمع

حفاظ میں پڑھوایا کرتے تھے جسے سن کر سامعین محظوظ ہوتے اور دعا دیتے۔ آپ کے برادر خورد قاری عبدالمالک صاحب نے جب ہوش سنبھالا تو آپ نے انہیں بھی اپنے ہمراہ بغرض تعلیم لے جانا شروع کردیا۔ اور استاد صاحب کی نگرانی میں خود بھی پڑھاتے رہے۔ ابھی قاری عبدالمالک صاحب کا ناظرہ قرآن ختم نہ ہونے پایا تھا کہ آپ کی والدہ محترمہ کے دل میں جذبۂ حج بیت اللہ پیدا ہوا۔ اور انہوں نے ارادہ کیا کہ اپنے دونوں بچوں کو ہمراہ لے کر مکہ مکرمہ جاؤں گی۔ یہ شرف خاندان میں پہلے سے بھی تھا اور آپ کی نانی صاحبہ، ماموں صاحب اور بڑے بھائی عبداللہ صاحب بھی حج کر چکے تھے

سفر حج

آپ کی والدہ محترمہ آپ کے برادر خورد قاری عبدالمالک اور بڑے بھائی حاجی عبداللہ صاحب کو ہمراہ لے کر ماہ رجب المرجب ۱۳۱۳ھ میں اس مبارک سفر پر روانہ ہوگئیں رخصت کے وقت آپ کے استاد صاحب نے آپ کی والدہ صاحبہ کو وصیت کی کہ عبدالخالق کو مکہ مکرمہ جاکر علم قراءت ضرور پڑھانا۔ بالآخر آپ مع اپنی والدہ صاحبہ اور بھائیوں کے بمبئی روانہ ہوگئے دوران قیام بمبئی میں جب آپ تلاوت قرآن کرتے تو سامعین کہتے کہ یہ لڑکا اگرچہ اب بھی اچھا پڑھتا ہے لیکن مکہ مکرمہ جاکر اور بھی زیادہ اچھا پڑھنے لگے گا۔ قاری صاحب کو چونکہ کبھی اہل عرب کے سننے کی نوبت نہیں آئی تھی اس لئے حیرت سے سوچتے کہ اس سے اور کیا اچھا پڑھا جاسکتا ہے۔ غرض بمبئی میں کچھ دن قیام کرنے کے بعد مغل لائن کے کسی جہاز پر سوار ہوگئے۔ اور جہاز اخیر شعبان میں جدہ کے لئے روانہ ہوگیا۔ جدہ میں دو شب قیام کرکے بذریعہ اونٹ مکہ مکرمہ کے لئے روانہ ہوگئے اور اٹھارہ رمضان المبارک کو مغرب کے وقت مکہ مکرمہ میں داخل ہوگئے شب کو قیام کرکے صبح کو طواف بیت اللہ وسعی صفا مروہ کرکے احرام کھولا۔ آپ کے معلم عبداللہ سندھی تھے جنہوں نے آپ کو محلہ شامیان کے ایک مکان میں ٹھہرایا۔ اور آپ کا خاص طور پر خیال رکھا۔ اخیر رمضان المبارک تک عمرہ کرتے رہے بعد عیدالفطر پھر طواف بیت اللہ شریف میں مشغول ہوگئے جب حج کا وقت آیا تو احرام باندھ کر عرفات کے لئے روانہ ہوگئے اور بخیر وخوبی تمام ارکان حج سے فراغت پائی۔ اس کے بعد آپکی والدہ محترمہ نے مستقل طور پر وہیں قیام فرمالیا۔ اور آپ کو حصول تعلیم کے لئے قاری عبداللہ صاحب مہاجر مکی مدرس مدرسہ صولتیہ کے سپرد کردیا۔ قاری صاحب فرماتے ہیں کہ جب میں نے قاری عبداللہ صاحب مہاجر مکی کو سنا تو مجھے اہل بمبئی کا مقولہ کہ "یہ لڑکا مکہ جاکر اور اچھا پڑھنے لگے گا" یاد آگیا کہ واقعی وہ لوگ سچ کہتے تھے۔ آپ نے اپنے ساتھ اپنے چھوٹے بھائی قاری عبدالمالک صاحب کو بھی مدرسہ لے جانا شروع کردیا۔ آپ چونکہ طبعاً زیادہ شرمیلے ہونے کیوجہ سے استاد صاحب کے سامنے کھل کر نہ

پڑھتے تھے اور استاد صاحب یہ چاہتے تھے کہ کسی طرح بے تکلف ہو کر پڑھنے لگیں۔ اس لیئے جہاں جاتے آپ کو ہمراہ لے جاتے۔ متعدد مرتبہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کے مکان پر لے جا کر ختم قرآن میں شرکت کراتے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی جگہوں پر لے جا کر پڑھواتے زمانہ طالب علمی میں طالب علم کچھ مالی خدمت تو کر نہیں سکتا لیکن اگر خلوص کے ساتھ صرف خدمت کرتا رہے تو استاد کے دل میں اپنے۔ لیئے خاص مقام پیدا کر لیتا ہے۔ چنانچہ قاری صاحب بھی استاد صاحب کی خدمت کے علاوہ آپ کے دو صاحبزادوں احمد و حامد کا کام تختی دھونا۔ قلم بنانا۔ سبق پچھلا یاد کرانا وغیرہ بڑے شوق کے ساتھ کرتے تھے۔ نیز گھر کا تمام کام کاج بھی کرتے۔ نماز مغرب سے نماز عشاء تک روزانہ پابندی کے ساتھ استاد صاحب کی خدمت میں حرم شریف میں رہتے اور نماز عشاء کے بعد رخصت کر کے واپس آتے

سفر مدینہ مکہ مکرمہ میں مسلسل چار سال کے قیام کے بعد آپ کی والدہ محترمہ نے مدینہ منورہ کا قصد فرمایا چنانچہ ربیع الاول ۱۳۱۷ھ میں اونٹ پر سوار ہو کر جدہ اور پھر کشتی میں سوار ہو کر براہ رابغ مدینہ منورہ کے لیئے روانہ ہو گئے جب مدینہ منورہ قریب آگیا تو محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر کا سبز گنبد اور مدینہ کی آبادی نظر آنے لگی جس سے قافلہ والوں کی مسرت قلبی کا کوئی ٹھکانا نہیں رہا اور بادہ حب نبی کے خمار سے قافلہ کا ہر فرد جھوم اٹھا۔ بالآخر وہ ساعت نیک آپہنچی جبکہ یہ طالبین صادق اپنے سینوں میں سینکڑوں آرزوئں اور ہزاروں تمناؤں کا ایک طوفان لیئے ہوئے اپنے مطلوب حقیقی اور حبیب یکتا کے منور دیار میں داخل ہو گئے۔ یہاں پہنچ کر تواتیہ نامی مقام پر جو بالعجب کے باہر ہے قیام کیا جہاں پہلے سے اور بھی بہت سے ہندوستانی آباد تھے۔ مدینہ منورہ میں تقریباً چھ ماہ قیام کیا۔ اس عرصہ میں تمام قابل زیارت مقامات مثلاً قبلتین۔ مزار سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ جنت البقیع وغیرہ کی زیارت سے مشرف ہو کر براہ خشکی ایک قافلہ کے ہمراہ واپس مکہ مکرمہ پہنچ گئے اور حسب سابق استاذ صاحب کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ تقریباً سات سال کے عرصہ میں تمام قرآن مجید از اول تا آخر ایک ایک حرف مشق میں پورا کیا اور جتنے رسائل تجوید داخل نصاب تھے پڑھے۔

وطن کو واپسی ان دنوں قاری صاحب کے بڑے بھائی آپ کے چھوٹے بھائی قاری عبدالمالک صاحب کو لے کر ہندوستان آگئے جن کے باعث آپ کی والدہ صاحبہ بیحد پریشان ہوئیں۔ بالآخر بادل ناخواستہ ایک سال اور رہ کر اور نواں حج کر کے ۱۳۲۲ھ میں مع والدہ صاحبہ کے براہ بمبئی ہندوستان تشریف لے آئے بوقت رخصت آپ کے استاذ محترم

نے خانہ کعبہ کے سامنے بہت سی نصیحتیں فرمائیں اور بہت دعائیں دیں علی گڑھ پہنچ کر آپ کے چھوٹے بھائی بھی مل گئے جس سے آپ کی والدہ محترمہ کو اطمینان نصیب ہوا۔ یہاں اہل محلہ کے اصرار پر ایک مکان میں بچوں کو تعلیم دینا شروع کر دی۔ چند دن بعد اتفاقاً مولوی عبداللہ صاحب[1] اپنے وطن انبہٹہ جاتے ہوئے سہارنپور سے گزرے تھے۔ اور ان دنوں سہارنپور میں مدرسہ تجوید القرآن ۱۳۲۱ھ میں قائم ہو چکا تھا اس لیے مولوی عبداللہ صاحب نے آپ کا اور آپ کے بھائی صاحب کا تذکرہ اراکین مدرسہ سے کر دیا۔ اراکین مدرسہ نے فوراً دونوں بھائیوں کو مدرسہ کے سالانہ جلسہ میں شرکت کی دعوت دے دی اس جلسہ میں قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی نابینا، قاری عبدالسلام صاحب پانی پتی، قاری ابراہیم صاحب کرنالی وغیرہ بھی موجود تھے، دیگر قراء کے بعد قاری صاحب اور آپ کے بھائی صاحب نے بھی تلاوتِ قرآن فرمائی۔ تمام سامعین سکتہ کے عالم میں رہ گئے کیونکہ اس سے پہلے حجازی لہجہ سے سب کے کان ناآشنا تھے، جلسہ ختم ہو گیا۔ دونوں بھائیوں کو مدرسی کی پیشکش کی گئی، آپ نے اس وقت تو اجازت طلب کی لیکن بعد میں آنے کا وعدہ کر کے چلے گئے اور حسب وعدہ بعد فراغِ شادی یکم ذیقعدہ ۱۳۲۳ھ میں دونوں بھائی مدرسہ تجوید القرآن میں بطورِ مدرس آگئے۔ اس وقت تمام عملہ حفاظ پانی پتی تھا۔ اسی لہجہ میں تعلیم ہوتی تھی۔ آپ نے حجازی لہجہ میں تعلیم شروع کی تو تمام شہر میں دھوم مچ گئی۔ مہتمم مدرسہ کے پاس تمام شہر سے درخواستیں آنے لگیں کہ آج ہماری مسجد میں قاری صاحب سے نمازِ مغرب پڑھوا دیجئے۔ تقریباً تین سال بعد آپ کے چھوٹے بھائی قاری عبدالمالک صاحب ملازمت ترک کر کے چلے گئے اور تنہا آپ ہی رہ گئے، اس وقت چونکہ مدرسہ کے دیگر تمام مدرسین پانی پتی لہجہ کے ماہر تھے اس لیے تعلیمی لحاظ سے قاری صاحب میں اور ان میں بڑی کشمکش رہتی تھی۔ ماہ رمضان کا سہ شبی شبینہ بھی اسی وقت سے جاری ہوا ورنہ ایک شب ہی میں پڑھایا جاتا تھا شبینہ کی ترتیب اس طرح ہوتی کہ پہلی شب میں دس طلباء پانی پتی لہجہ والے، دوسری شب میں دس طلباء حجازی لہجہ والے، اور تیسری شب میں اساتذۂ مدرسہ پڑھتے۔ اس وقت عجب کیف طاری ہوتا تھا، ہر پڑھنے والا بہتر سے بہتر پڑھنے کی سعی کرتا۔ سنا ہے کہ کچھ لوگوں نے قاری صاحب پر اعتراض کیا کہ آپ دن میں یاد کر کے ایک پارہ پڑھ

---

[1] واضح ہو کہ یہ مولانا عبداللہ صاحب (قاری صاحب کے برادر بزرگ نہیں) حضرت تھانوی رح کے مصاحبین میں سے ہیں۔ تیسیر المبتدی اور تیسیر المنطق وغیرہ کے مؤلف۔ اظہار احمد

لیتے ہیں یہ کوئی کمال نہیں۔ زیادہ زیادہ پڑھو تو جانیں چنانچہ ایک سال قاری صاحب نے مسجد محلہ
ضی میں پانچ پانچ پارے یومیہ اسی شان کے ساتھ پڑھے جیسے کہ ایک پارہ پڑھتے تھے۔ قاری
صاحب مدرسہ کی خدمت پوری مستعدی نہایت خلوص اور ایثار کے ساتھ کرتے رہے کبھی کبھی مدرسہ
کی مالی حالت کمزور ہو جانے کے باعث کئی کئی ماہ تک تنخواہ نہ ملتی تھی۔ لیکن قاری صاحب نے کبھی
اس کا خیال نہیں فرمایا۔ اور دیگر مدرسین کو بھی صبر وضبط کے ساتھ کام کرنے کی تلقین کی ۔
آپ نے کئی مرتبہ مدرسہ کی امداد کے لیے منصوری و شملہ وغیرہ کا بھی سفر کیا۔ لوگ تعجب کرتے تھے کہ
مدرسہ آخر کس طرح چل رہا ہے جب کہ نہ کوئی معقول آمدنی ہے نہ مستقل امداد۔ بس حق تعالیٰ کا
فضل وکرم شامل حال تھا جس نے مدرسے کے لیے ایک بے نفس اور مخلص ترین ہستی قبلہ حافظ
محمد ابراہیم صاحب مرحوم نور اللہ مرقدہ کو پیدا کر دیا تھا جو ابتدائی تعلیم میں اپنا ثانی نہیں رکھتے
تھے۔ چار چار سال کے بچوں کا تلفظ اس قدر صحیح کرا دیتے تھے کہ سننے والا محوِ حیرت ہو جاتا تھا
اور اسی طرح تکمیل تعلیم کے لیے حضرت قاری صاحب قبلہ کو بھیج دیا تھا۔ کہ جس نے آپ سے پڑھ لیا
سب کی نظروں میں مقبول اور محمود ہو گیا۔ حضرت قاری صاحب کے شاگرد اور اس مدرسہ کے خوشہ
چین آج آپ کو ہند اور پاکستان کے علاوہ سینکڑوں مقامات پر ہزاروں کی تعداد میں ملیں گے، کوئی
خطیب کی صورت میں نظر آئے گا کوئی معلم کی، قاری صاحب کو مدرسہ ہذا سے کہیں زیادہ تنخواہ پر
بہت سی جگہوں مثلاً مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور اور دارالعلوم دیوبند وغیرہ پر بلانے کی کوششیں کی گئیں
لیکن آپ نے باوجود قلیل تنخواہ کے اس مدرسہ کو کسی صورت میں بھی چھوڑنا گوارا نہ کیا اور آج تک
بحمد اللہ اسی مدرسہ میں تشریف فرما ہیں۔ آپ نے منتظمین مدرسہ کی کسی بات پہ ناخوش ہو کر دو مرتبہ مدرسہ
جانا چھوڑا۔ پہلی مرتبہ ایک ماہ تک اور دوسری مرتبہ تین ماہ تک نہیں گئے دونوں مرتبہ شہر میں کافی
ہلچل مچی۔ اور معززین شہر نے آپ کو مدرسہ کی خدمات جاری رکھنے پر مجبور کیا۔ قاری صاحب زمانہ
تحریکِ خلافت میں ایک سال ماہِ رمضان میں افغانستان سے آئے ہوئے وفد کو قرآن سنانے
کے لیے کوہ منصوری پر بھی تشریف لے گئے۔ اراکینِ وفد آپ کا قرآن سن کر بے حد مسرور ہوئے اور
آپ کو ایک دستار اور جُبّہ جو افغانستانی ائمہ کا لباس تھا اور بیس اشرفیاں سکہ افغانی ہدیۃً دیں۔
اس کے علاوہ مبلغ پانچ صد روپیہ آپ کو حکومتِ ہند کی جانب سے دیا گیا۔ اتنے زبردست ماہرِ فن
اور صاحبِ وصف وکمال ہونے کے باوجود حضرت قاری صاحب کی کسرِ نفسی اور سادگی کا یہ عالم تھا کہ
عرصہ تک اہالیانِ شہر صورت آشنا بھی نہ ہوئے۔ کبھی دیکھتے تو مدرسہ مظاہر علوم کا طالب علم ہی سمجھتے

جس زمانہ میں تحریکِ خلافت شروع ہوئی اور شہر میں جا بجا خصوصاً محلہ شاہمدار میں جلسے ہونے لگے۔ اس وقت قاری صاحب سے لوگ عام طور پر صورت آشنا ہوئے ان جلسوں میں حضرت قاری صاحب تحریک سے دلچسپی کے باعث پابندی اور شوق سے شرکت فرماتے تھے اور جلسوں کا افتتاح ہمیشہ آپ کی تلاوتِ قرآن سے ہوتا۔ انہی ایام میں مسجد جامع کی امامت پر کچھ گڑبڑ ہوئی اور یہ سوال پیدا ہوا کہ امام کون ہو؟ اس وقت قاری صاحب رخصت پر علی گڑھ گئے ہوئے تھے آپ کو فوراً بلا لیا گیا اور آپ جناب قاضی ظفر احمد صاحب متولی جامع مسجد جناب خواجہ مظاہر حسن صاحب مرحوم چیئرمین میونسپل بورڈ، بابو محمد جعفر صاحب مرحوم وکیل، اور خان بہادر حبیب اللہ صاحب کلکٹر کے مشورہ سے جامع مسجد کے خطیب مقرر ہوگئے جہاں آپ بحمداللہ آخر عمر تک فائز رہے۔ خطیب مقرر ہونے پر آپ نے اپنی مرضی سے مدرسہ کی تنخواہ میں دس روپیہ کم کر دیے۔

اولاد۔ آپ کے یہاں پانچ صاحب زادیاں اور ایک صاحب زادہ قاری عبدالباری صاحب (جو آج کل مدرسہ تجوید القرآن سہارنپور میں اپنے والد صاحب کی جگہ درس و تدریس میں مشغول ہیں) پیدا ہوئے پہلی تین صاحب زادیاں بچپن ہی میں اللہ کو پیاری ہوگئیں۔ دو موجودہ صاحبزادیوں میں سے بڑی صاحب زادی مولوی حافظ مشتاق احمد صاحب نہوڑی فاضل دیوبند سے منسوب ہوئیں جو دہرہ دون میں معلم اور مفسرِ قرآن تھے اور فساداتِ ۱۹۴۷ء میں وہیں شہید ہوگئے مرحوم نے تین بچے چھوڑے جن میں ایک بچہ فوت ہوگیا۔ ایک لڑکی اور ایک لڑکا بفضلہ بقید حیات ہیں، آپ کی چھوٹی صاحب زادی جناب عشرت اللہ صاحب سے منسوب ہیں جو علی گڑھ میں رہتے ہیں۔ حضرت قاری صاحب کی والدہ محترمہ نے ۱۸ ر شعبان ۱۳۴۷ھ میں سہارنپور ہی میں انتقال فرمایا۔ آپ کے چھوٹے بھائی جناب قاری عبدالمالک صاحب نے مدرسہ تجوید القرآن سہارنپور کے علاوہ تھانہ بھون، آگرہ، بانس بریلی، ٹونک اور لکھنؤ وغیرہ کے مدارس میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔ حضرت قبلہ قاری عبدالخالق صاحب کا تقرر مدرسہ ہذا میں یکم ذیقعدہ ۱۳۲۳ھ میں ہوا تھا۔

وفات۔ استاذالاساتذہ قاری عبدالخالق صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی وفات ۱۱ ر اپریل ۱۹۵۶ء بروز جمعرات سہارنپور میں ہوئی۔ اور حضرت الشیخ البارع سیدنا قاری عبدالمالک صاحب ۳۰ ر دسمبر ۱۹۵۹ء کی درمیانی رات میں لاہور میں واصل بحق ہوئے۔ رحمہ اللہ واوصلہ فی جنت الفردوس۔

عنوانات